ذوق ہو انھین اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے،

ناموران اسلام مرتبہ نواب محمد صابر قلی خان دلیر جنگ صفدر جنگ والی ریاست محمد گڈھ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہین، پتہ :- سید سلیمان پبلشنگ ہاؤس، ریاست محمد گڈھ مالوہ،

اکثر نوجوان کیا، بلکہ سن رسیدہ رؤسا و امرار کو بھی عیش و تنعم اور لطف و تفریح کی مصروفیتون سے سنجیدہ علمی و ادبی مشاغل کی جانب توجہ کرنے کی فرصت نہین ملتی لیکن ان مین مستثنیات بھی ہوتے ہین، انہی مستثنیات مین نوجوان تعلیم یافتہ رئیس مصنف بھی ہین، جن کا علمی ذوق دولت و امارت کے گہوارہ مین بھی قائم ہے، گذشتہ معارف مین مانڈو کے آثار قدیمہ پر ان کا ایک مضمون بھی نکل چکا ہے، زیر نظر کتاب ایک اسلامی موضوع پر اُن کی سنجیدہ اور مفید تالیف ہے، اس مین دار المصنفین کی کتابون، اور اردو کی دوسری معتبر تصانیف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک، عشرہ مبشرہ، حضرت حسین، خالد بن ولید اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور امام مالک، شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی، امیر سعود بن عبد العزیز، سلطان عبد العزیز بن سعود والی نجد و حجاز، اور امام یحیٰی والی یمن کے مختصر سوانح اور سبق آموز حالات لکھے ہین، جو مسلمان بچون، اور عورتون کے پڑھانے کے لائق ہین، یہ کتاب اس حیثیت سے کہ ایک نوجوان والی ریاست کی سنجیدہ تالیف ہے، بہت قابلِ قدر ہے،

"م"

جلد ۶۳ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۹ء عدد ۲

مضامین

مقالات

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

افسوس ہے کہ گذشتہ ۲۰ جنوری کو ملک کے نامور وکیل اور قانون دان سر تیج بہادر سپرو نے ۷۴ سال کی عمر مین انتقال کیا، عرصہ ہوا ان پر فالج کا حملہ ہوا تھا جس کے بعد ان کی صحت بگڑ گئی تھی، اور جس نے بالآخر انکی زندگی کا چراغ گل کر دیا، وہ ایک بڑے قانون دان بلکہ قانون ساز اور عالی دماغ مدبر تھے، اپنے پیشہ مین بڑا نام پیدا کیا، اور بڑی دولت کمائی، اور صوبائی و مرکزی اسمبلیون سے لے کر وائسرائے کی اکزیکٹیو کونسل کی ممبری اور پریوی کونسل کی رکنیت تک کے اعزاز ان کو حاصل ہوئے، وہ سیاسیات مین اعتدال پسند تھے، اور اس دائرہ کے اندر انھون نے ملک و قوم کی بھی مفید خدمات انجام دین اور انہی حیثیتون سے ان کا ماتم کیا گیا،

لیکن قومی نقطۂ نظر سے ان سب سے بڑھکر اُن کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار، اردو زبان کے بڑے حامی و مددگار، اور ہماری پُرانی مشترک تہذیب کا عملی نمونہ اور اس صوبہ مین غالباً اس کی آخری یادگار تھے، اور اس فرقہ پرستی کے زمانہ مین بھی جب کہ بڑے بڑے قوم پرستون کے قدم ڈگمگا گئے ہین، وہ اپنی جگہ پر قائم رہے، اور مشترک زبان اور مشترک تہذیب کا دامن اُن کے ہاتھ سے نہ چھوٹا، وہ برسون ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کے صدر رہے، کل ہند انجمن ترقی اردو کے مربی و سرپرست تھے، اور تقسیم ہندوستان سے پہلے تک وہ اس کے مستقل صدر تھے، ابھی حال مین انھون نے اردو زبان کی خدمت کے لئے الہ آباد مین روح ادب کے نام سے ایک مجلس قائم کی تھی، اردو کی تاریخ مین ان کا یہ فقرہ ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اردو زبان ہندو مسلمانون کا مشترک اور ناقابلِ تقسیم ترکہ ہے، وہ خود اردو اور فارسی دونون کا نہایت بلند اور ستھرا مذاق رکھتے تھے، اور نہایت فصیح اور شستہ اردو بولتے

اور لکھتے تھے، اردو کی متعدد نظم و نثر کی کتابون پر اُن کے دیباچے اور مقدمے اُن کی ادبی یادگار ہین،

کئی سال ہوئے کسی مقدمہ کے سلسلہ مین اعظم گڈھ آنا ہوا تو دار المصنفین دیکھنے کے لئے بھی آئے، کتبخانہ مین فارسی کی الماری مین کلیاتِ صہبائی دیکھ کر کہا کہ میرے دادا مولانا صہبائی کے شاگرد تھے، اور کلیات نکال کر دیر تک الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے، ہندوستان مین آیندہ اُن سے بھی بڑے وکیل، قانون دان اور مدبر پیدا ہونگے، لیکن ہندو مسلم اتحاد اور دونون کی مشترک تہذیب کا ایسا نمونہ شاید اب نہ پیدا ہو سکے، اس لئے اُن کا ماتم تنہا ایک مقنن اور مدبر کا ماتم نہین، بلکہ مشترک تہذیب کی یادگار اور اردو زبان کے ایک بڑے محسن کا ماتم ہے،

آج تک کسی ملک و قوم نے علم و فن مین ملکی اور غیر ملکی کی تفریق نہین کی، اور نہ مفید غیر ملکی علوم کے حصول اور اُن سے استفادہ مین عار کیا، بلکہ انھین سیکھ کر اُن سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، لیکن یہ فخر ہمارے صوبہ کی حکومت کے حصہ مین آنے والا ہے کہ وہ علم و فن مین بھی ملکی و غیر ملکی کی تقسیم کرنا چاہتی ہے، ہندوستان مین ایک ہزار سال سے طبِ یونانی رائج ہے، اور آریو ویدک کے مقابلہ مین اس کو زیادہ مقبولیت حاصل تھی، اس لئے انگریزی حکومت نے بھی اپنے زمانہ مین اس کو مٹایا نہین، بلکہ دیسی طبون کی ترقی کے لئے بورڈ آف انڈین میڈیسن قائم کیا، جس کی نگرانی مین دونون طبین اپنے راستہ پر چل رہی تھین، لیکن قومی حکومت کے قیام کے بعد طب یونانی غیر ملکی قرار پا گئی، اور اس کو مٹانے کی تدبیرین شروع ہو گئین،

چند دن ہوئے حکومت نے دونون طبون کی جدید تنظیم اور ترقی کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی تھی جس مین یونانی اطبا برائے نام تھے، اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مین طبِ یونانی کے مستقل وجود ہی سے انکار کر دیا ہے، اور اس کو آریو ویدک کا محض ضمیمہ بنانیکی سفارش کی ہے، اسکے مطابق حکومت طب یونانی کو آریو ویدک مین ضم کرنے کا

ارادہ رکھتی ہے، جو اس کے مٹانے کی جانب پہلا قدم ہے،

طب یونانی اور وید کے اصول اور طریقۂ علاج بالکل جدا ہیں، طب یونانی کو ویدک سے ماخوذ بتانا اور اس کی مستقل حیثیت سے انکار کرنا روز روشن کا انکار کرنا ہے، طب یونانی صدیوں سے ہندوستان میں رائج ہے، اس کی بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہیں، اس کے بڑے بڑے نامور اطبا پیدا ہوئے اور آج تک نہ کسی نے اس کی مستقل حیثیت سے انکار کیا، اور نہ اس سے پہلے ملکی و غیر ملکی کا سوال پیدا ہوا، ایسی حالت میں سمجھ میں نہیں آتا کہ ان سوالات کو اس کے علاوہ اور کس چیز پر محمول کیا جائے کہ طب یونانی کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اسلامی عہد کی یادگار ہے، ورنہ جیسا کہ خود اس کے نام سے ظاہر ہے وہ عربی یا اسلامی نہیں بلکہ یونانی طب ہے، اور مسلمانوں کا اس سے صرف اس قدر تعلق ہے کہ انھوں نے اس کو سیکھ کر ترقی دیا، اور آگے بڑھایا، لیکن اگر یہ تعلق بھی مخالفت کا سبب بن سکتا ہے تو پھر ہندوستان کو بہت سے علوم و فنون سے دست کش ہونا پڑے گا، اور اس کی کتاب تہذیب کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائیں گے، ایک زمانہ بھی تھا کہ مسلمان بادشاہوں نے ہندوستانی ویدوں کو بغداد بلا کر ان سے علاج کرایا، اور ویدک کی کتابیں منگا کر عربی میں ترجمہ کرائیں، اور ایک یہ زمانہ بھی ہے کہ طب یونانی کی محض اس لئے مخالفت ہو رہی ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشانی ہے، یہ تو پرانی داستان ہے، ابھی کل کی بات ہے کہ فدائے وطن حکیم اجمل خاں مرحوم نے طب یونانی اور آریو ویدک کی ترقی کے لئے کیا کیا کوششیں نہیں کیں، اور آج ان کے محبوب فن کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، حکیم صاحب کی ذات اور ان کی خدمات اس قدر جلد بھلا دینے کی چیز نہ تھیں،

علم و فن میں ملکی و غیر ملکی کی تقسیم و تفریق دنیا میں کہیں نہیں کی جاتی اس لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ دونوں طبوں کی علمی حیثیت کو مساوی درجہ دے، ان کی ترقی کے لئے یکساں مواقع فراہم کرے، اور طب یونانی کو مٹانے یا اس کا درجہ گھٹانے کا بدنما داغ اپنے دامن پر نہ لے،

مقالات

اخوان الصفاء

از

مولانا عبد السلام ندوی

قدیم زمانہ میں موجودہ زمانہ کی طرح یہ طریقہ نہ تھا کہ اہل علم کی ایک جماعت مل کر انسائیکلوپیڈیا کے طرز پر کوئی کتاب لکھے، اور اس کو کسی خاص شخص کے انتساب کے بغیر شائع کرے، لیکن چوتھی صدی کے نصف حصہ میں اہل علم کی ایک جماعت نے جو اپنے آپ کو اخوان الصفار کے نام سے موسوم کرتی تھی، اس قسم کی متفقہ کوشش کی اور مختلف فلسفیانہ موضوع پر ۵۱ رسالے لکھے جو رسائل اخوان الصفار کے نام سے عام طور پر مشہور و معروف ہیں، جہاں تک تاریخ فلسفہ کا تعلق ہے، قدیم زمانے میں ان رسائل کو کوئی خاص فلسفیانہ اہمیت حاصل نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ حکمار کے حالات میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ان رسالوں کا ذکر نہایت معمولی طور پر کیا گیا ہے، شہرزوری نے تاریخ الحکمار میں ان رسائل اور ان کے مؤلفین کا ذکر صرف چند سطروں میں کیا ہے[1]، قاضی صاعد اندلسی نے طبقات الامم میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ کرمانی نے مشرق کا سفر کیا، اور اپنے ساتھ رسائل اخوان الصفار لایا، جو اس سے پہلے اندلس میں نہیں آئے تھے، علامہ ابن اصیبعہ نے کرمانی کے تذکرہ میں ضمناً اسی کو نقل

---

[1] شہرزوری ص ۱۵،

کر دیا ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہین لکھا ہے[1]، ان رسائل کا ذکر سب سے زیادہ مفصل طور پر قفطی نے اخبار الحکما[2] مین کیا ہے، لیکن اُن کی فلسفیانہ اہمیت کا وہ بھی منکر ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ

"اخوان الصفا و خلان الوفا ایک جماعت کا نام ہے، جس نے جمع ہو کر قدیم فلسفہ کے مختلف انواع پر ایک کتاب لکھی، اور اس کو چند مقالات پر مرتب کیا، جن کی تعداد ۵۱ ہے، ان مین پچاس رسالے فلسفہ کے پچاس انواع پر ہین، اور اکیاونوان رسالہ تمام مقالات کا اختصار و خلاصہ ہے، لیکن یہ رسالے صرف تشویقی حیثیت رکھتے ہین، نہ ان مین مسائل کا استقصا کیا گیا ہے، نہ ان کے دلائل واضح ہین، بلکہ وہ انواعِ فلسفہ کی ہر نوع کے طالب کے لئے صرف تنبیہ و اشارہ ہین"

اس بنا پر دورِ جدید کے بعض مورخینِ فلسفہ کے یہ الفاظ کہ

"ان رسائل مین فلاسفۂ اسلام کے مباحث کا خلاصہ درج ہے، اور ان مین غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے مولفین نے دقیق بحث اور طویل غور و فکر کے بعد ان کو مرتب کیا ہے"

مبالغہ آمیز لفاظی سے زیادہ وقعت نہین رکھتے، اُن کی حیثیت تبلیغی رسالون سے زیادہ نہین ہے، ان مین صرف پروپگنڈے کا کام لیا گیا ہے، البتہ تاریخی حیثیت سے ان رسائل کے متعلق چند باتین بحث طلب ہین،

۱- ایک یہ کہ ان کو کن کن لوگون نے لکھا ہے،

۲- دوسرے یہ کہ یہ لوگ مسلمانون کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے،

۳- تیسرے یہ کہ ان رسائل کے لکھنے سے ان کا کیا مقصد تھا؟

اور ہم اسی ترتیب سے ان امور پر بحث کرتے ہین،

۱- قفطی نے ان رسائل کے مولفین مین صرف ابو سلیمان محمد بن معشر البستی (مقدسی) ابو الحسن

[1] طبقات الاطبا جلد دوم ص ۴۰، [2] اخبار الحکما، قفطی ص ۵۰،

علی بن ہارون الزنجانی، ابو احمد المہرجانی اور عوفی کا نام لیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جنھون نے ان رسائل کو لکھا لیکن اپنے نام کا اخفا کر کے ان کو مسودہ نویسون مین پھیلا دیا اور لوگون کو تقسیم کیا، شہرزوری نے زید بن رفاعہ کے نام کا اور بھی اضافہ کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان رسائل کی عبارت مقدسی نے لکھی ہے، لیکن قفطی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ زید بن رفاعہ ان رسائل کی تدوین و ترتیب مین شامل نہ تھا، بلکہ وہ محض ان مولفین کا شریکِ صحبت تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

"مجھکو ان رسائل کے مولفین کے حالات کی نہایت تلاش تھی، اسی حالت مین مجھکو ابو حیان توحیدی کا ایک مضمون ملا جس کو اُس نے وزیر صمصام الدولہ بن عضد الدولہ کے ایک سوال کے جواب مین ۳۷۳ھ مین لکھا تھا، وزیر اس سے پوچھتا ہے کہ مجھکو ایک اہم بات بتاؤ مین زید بن رفاعہ سے ہمیشہ ایک بات سنتا ہون جو مجھے شبہہ مین ڈالتی ہے، وہ حروف اور نقطون کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ب کو جو ایک نقطہ دیا گیا، ت پر جو دو نقطے لگائے گئے، اور الف کو جو بغیر نقطے کے چھوڑ دیا گیا اس کا کوئی نہ کوئی سبب اور کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوگا؟ اسی کے ساتھ وہ اور بھی بڑے بڑے دعوے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کرتا ہے، تو بتاؤ کہ اس کی کیا حالت ہے؟ اور اس کے اخلاق کیسے ہین، کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اس کے یہان آمد و رفت رکھتے ہو، اس کے پاس بیٹھتے ہو اور خوش گپی کرتے ہو، اور جو شخص کسی کی صحبت مین رہتا ہے، وہ اس کے مخفی خیالات اور مخفی مذہب سے زیادہ واقفیت رکھتا ہے"

ابو حیان پہلے تو ٹال مٹول کرتا ہے، پھر وزیر کے اصرار پر بیان کرتا ہے کہ "وہ ایک نہایت ذہین شخص ہے، نظم و نثر پر نہایت قدرت رکھتا ہے، حساب، بلاغت، تاریخ اور مختلف مذاہب و عقائد سے ماہرانہ واقفیت رکھتا ہے، یہ سن کر وزیر پوچھتا ہے کہ "اس کا مذہب کیا ہے"؟ ابو حیان جواب دیتا ہے کہ اس کا کوئی خاص عقیدہ نہین، وہ کسی خاص فرقہ کی طرف منسوب نہین، بلکہ وہ سب کچھ کہتا ہے، اُس نے بصرہ مین ایک طویل زمانہ تک قیام کیا ہے اور وہان اس کو اہلِ علم کی ایک جماعت مثلاً

ابو سلیمان محمد بن معشر البستی (مقدسی) ابو الحسن علی بن ہارون زنجانی ابو احمد المہرجانی اور عوفی وغیرہ کی صحبت اور خدمت کا موقع ملا ہے، جو دوستانہ اور خیر خواہانہ اصول پر قائم ہوئی تھی اور اس نے ایک خاص مذہب ایجاد کیا تھا، جس کی نسبت اس کا خیال تھا، کہ اس کے ذریعہ سے اس نے رضائے الٰہی کا راستہ قریب تر کر دیا ہے، کیونکہ وہ کہتی ہے کہ شریعت جہالت اور ضلالت سے گرد آلود ہو گئی ہے اور یہ غبار صرف فلسفہ کے ذریعہ سے دور کیا جا سکتا ہے، اور جب یونانی فلسفہ اور عربی شریعت ایک لڑی میں پرو دیئے جائیں گے تو کمال کا درجہ حاصل ہو جائے گا، اس غرض سے اس نے فلسفہ کے تمام علمی اور عملی اجزاء پر پچاس رسالے لکھے، جن کا نام رسائل اخوان الصفار رکھا، لیکن اپنے نام نہیں ظاہر کئے"[1] اس تصریح سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ زید بن رفاعہ ان رسائل کے مولفین کا صرف شریک صحبت تھا، ان کا خادم تھا، اُن کے خیالات سے متاثر تھا، لیکن ان رسائل کا مؤلف نہ تھا"

۲۔ اس سے زیادہ اہم بحث یہ ہے کہ ان لوگوں کے عقائد کیا تھے؟ اور وہ کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے؟ قفطی نے لکھا ہے کہ "چونکہ ان رسائل کے مولفین نے اپنے نام کا اخفا کیا اس لئے لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا، کہ کس نے ان کو مرتب کیا، اور ہر گروہ نے ظنی اور قیاسی طور پر رائیں قائم کیں ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ بعض ائمہ کا کلام ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے، پھر اس امام کے نام میں بھی اختلاف کرتے ہیں، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ قدیم زمانے کے بعض متکلمین معتزلہ کی تصنیف ہیں"[2] لیکن خود قفطی کو اس پر اطمینان نہ تھا، اس لئے اس نے مزید تحقیق کی تو اس کو معلوم ہوا کہ یہ ایک آزاد خیال گروہ تھا، جس کو کسی خاص فرقہ یا کسی خاص مذہب سے تعلق نہ تھا، اور خود ان رسائل کے مؤلفین بھی کہتے ہیں، کہ "ہمارے بھائیوں کو کسی علم سے دشمنی نہیں رکھنی چاہئے، کسی کتاب کو نہیں چھوڑنا چاہئے، کسی مذہب سے تعصب نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ ہماری رائے اور ہمارا مذہب

[1] اخبار الحکما قفطی صفحہ ۵۹ [2] ، صفحہ ۵۰

تمام مذاہب اور تمام علوم کو شامل ہے"[1] بالخصوص معتزلہ سے تو ان کو کوئی تعلق ہی نہیں اور انھوں نے اپنے رسائل میں معتزلہ کے بعض مشہور عقائد کی تردید کی ہے، مثلاً معتزلہ قیامت کے دن رویت باری کے منکر ہیں، لیکن ارباب رسائل اخوان الصفار لکھتے ہیں کہ "اس مناظرہ پسند گروہ کا خیال ہے کہ آنکھ سے صرف اجسام واعراض دیکھے جا سکتے ہیں، اور خداوند تعالیٰ بالاجماع جسم نہیں ہے، اسی قیاسی وجہ سے انھوں نے خداوند تعالیٰ کی رویت کا انکار کیا ہے، حالانکہ یہ واقعہ نہیں ہے، ....

....

.... کہ صرف اجسام واعراض دیکھے جا سکتے ہیں، بلکہ اجسام تو درحقیقت دیکھے ہی نہیں جا سکتے، جب تک رنگ کا وجود نہ ہو اور رنگ بھی اس وقت تک نظر نہیں آ سکتا جبتک نور نہ ہو، لیکن خود نور نہ جسم ہے، نہ عرض، کیونکہ اگر نور جسم ہوتا تو وہ سخت اور شفاف اجسام مثلاً شیشہ اور بلور میں سرایت نہ کر سکتا، کیونکہ جسم بالاجماع دوسرے جسم میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ اگر ایک جسم دوسرے جسم میں داخل ہو سکے، تو کل اجسام ایک جسم میں داخل ہو جائیں، اسی طرح نور عرض بھی نہیں ہے، جو کسی جسم میں حلول کئے ہوئے ہو، کیونکہ روح بھی جسم نہیں ہے، گو اس کے افعال صرف جسم ہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، فرشتے، شیطان، جن، روح، نفس، عقل فعّال، ان میں سے کوئی چیز جسم یا عرض نہیں ہے، لیکن اُن کے افعال کا صدور جسم ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے، بعینہٖ اسی طرح نور بھی جسم نہیں ہے گو وہ ہم کو صرف جسم ہی کے ذریعہ سے نظر آتا ہے، اگر خدا دیکھا نہ جا سکتا تو وہ یہ کیوں کہتا،

کلا انھم عن ربھم یومئذٍ لمحجوبون، ہرگز نہیں آج کے دن وہ لوگ اپنے پروردگار سے آڑ میں ہوں گے،

خدا کی تجلی پہاڑ پر نمایاں ہوئی، کیونکہ تجلی اور حجاب کا اطلاق اُن اشیاء پر نہیں ہوتا، جو نظر نہیں آ سکتیں"[2]

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۱۰۵، [2] ایضاً ص ۱۵۰،

غرض اسلامی فرقون سے بالاتر وہ خود اپنے آپ کو صرف ایک عقلی گروہ کہتے ہین، اور عقل ہی کی پیروی مین زندگی بسر کرنا چاہتے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین، کہ "ہر جماعت کی نظم و ترتیب و اصلاح کیلئے ایک رئیس کی ضرورت ہوتی ہے، اور ہم نے اپنے بھائیون کی جماعت کے لئے اپنا رئیس عقل کو مقرر کیا ہے، اور ان شرائط کے مطابق جن کو ہم نے اپنے رسالون مین بیان کیا ہے، اور اپنے بھائیون کو اس کی وصیت کی ہے، اس کے فیصلون پر راضی ہو گئے ہین، تو جو شخص عقل کے شرائط و موجبات پر راضی نہ ہو، اور ان شرائط کو قبول نہ کرے، جن کی ہم نے اپنے بھائیون کو وصیت کی ہے، یا ان مین داخل ہونے کے بعد ان سے نکل آئے، تو اس کی سزا یہ ہے کہ ہم اس کی دوستی سے الگ ہو جائین، اس کے ساتھ معاشرت و معاملت نہ رکھین، اور اس کو اپنے اسرار نہ بتائین، اور اپنے بھائیون کو اس سے الگ رہنے کی ہدایت کرین[1]،

لیکن بایں ہمہ وہ صرف عقل ہی کے متبع نہین ہین، بلکہ مذہبی حیثیت سے فرقۂ شیعہ سے تعلق رکھتے ہین، اور اسی کی ایک شاخ ہین، یہ رسائل انھون نے خاص اسی فرقہ کے لئے لکھے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین، کہ اے بھائی ہم نے مختلف علوم و فنون مین ۵۱ رسالے لکھے ہین، جن مین ہر ایک کی حیثیت تمہید، مقدمہ اور نمونہ کی ہے تاکہ اس کو ہمارے بھائی دیکھین، اس کی قرأت سنین، اس کے بعض مطالب سمجھین، اور فضیلت اہلبیت کی حقیقت کو جس کے وہ معترف ہین، جانین، کہ وہ لوگ خدا کے علم کے خازن اور نبوتون کے علم کے وارث ہین[2]،

ایک جگہ خاص طور پر شیعون کو مخاطب کر کے لکھا ہے کہ

خدا نے ہم مین چند باتین ایسی جمع کر دی ہین، جو باہمی برادرانہ محبت اور دوستی کو مضبوط کرتی ہین، اور ان ہی مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور آپکے اہلبیت کی محبت، اور امیر المومنین علی بن ابی طالب خیر الوصیین کی ولایت ہے[3]،

لیکن انھون نے شیعون کی مختلف جماعتون پر تنقید کر کے شیعیت کا درجہ بہت بلند کرنا چاہا ہے، چنانچہ لکھتے ہین، کہ "بدترین لوگون کی ایک جماعت نے شیعیت کو محض ایک پردہ بنا رکھا ہے، وہ ہر قسم کی برائیان کرتی ہے، اور جب حکام اُن پر دار و گیر کرتے ہین تو وہ کہتی ہے کہ ہم شیعہ ہین، علوی ہین، تاکہ اُس کی آڑ مین پناہ لین"،

ایک جماعت ایسی ہے جس کے جسم ہم سے ملے ہوے ہین لیکن اس کی روح ہم سے الگ ہے، وہ اپنے آپ کو علوی کہتی ہے لیکن وہ علوی نہین ہے، وہ صرف قرآن کا نام جانتی ہے، اور اسلام کی صرف سطح سے واقف ہے، نہ علم سیکھتی، نہ فقہ کو جانتی، نہ نماز پڑھتی، نہ زکوٰۃ دیتی، نہ حج کرتی، نہ جہاد کو جانتی، نہ حرام سے بچتی، نہ برائی سے باز آتی، اور ہر قسم کی برائیون کی مرتکب ہوتی ہے، تو یہ جماعت ہمارے اہلِ ملت سے بہت دور ہے، اور ہمارے شیعون کی بہت بڑی دشمن ہے،

ایک اور جماعت ہے جس نے نوحہ گر عورتون اور قصہ گو واعظون کی طرح شیعیت کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے، یہ جماعت صرف تبرا، گالی گلوج، لعن و طعن، اور نوحہ گر عورتون کے ساتھ گریہ و زاری کو شیعیت سمجھتی ہے، اور ان کا شعار مشاہد کی مجاوری اور قبرون کی زیارت ہے، بعض شیعون کا قول ہے کہ ائمہ آوازون کو سنتے ہین، اور دعاؤن کو قبول کرتے ہین لیکن وہ اس کی حقیقت سے واقف نہین ہین، بعض لوگ کہتے ہین کہ امام منتظر مخالفین کے خوف سے چھپا ہوا ہے، حالانکہ وہ اُن کے سامنے موجود ہے، ان کو پہچانتا ہے، اور وہ اس کے منکر ہین[4]،

اسی فرقہ کی ترقی یافتہ شکل کا دوسرا نام باطنیت ہے، اور باطنیون کی تعلیمات کی بہت سی خصوصیات ان مین موجود ہین، مثلاً باطنیون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد صرف اس شخص پر ظاہر کرتے ہین جس سے یہ قسم لے لیتے ہین، کہ وہ ان کے اسرار کسی غیر پر ظاہر نہ کرے گا[5]، اور رسائل اخوان الصفار

---

[1] رسالہ اخوان الصفار جلد ۴ ص ۱۸۱ [2] ایضاً ص ۲۳۳، ۲۳۴ [3] ایضاً ص ۲۴۲،

[4] رسائل اخوان الصفا، جلد ۴ ص ۱۹۷ [5] الفرق بین الفرق ص ۲۸۰،

کے مولفین بھی اپنی تعلیمات مخفی طور پر دیتے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین، کہ اے بھائی ہم لوگون سے اپنے اسرار اس لئے نہین چھپاتے کہ ہم دنیا کے بادشاہون کے اقتدار سے ڈرتے ہین، یا یہ کہ عوام کے شور و غل سے بچنا چاہتے ہین، بلکہ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ کے عطیّے کو محفوظ رکھین، جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے، کہ حکمت نا اہلون کو نہ سکھاؤ، اگر ایسا کروگے تو اس پر ظلم کروگے، لیکن جو لوگ اس حکمت کے اہل ہون، اُن سے اس کو نہ روکو، اگر ایسا کروگے تو اُن پر ظلم کروگے،[1]

باطنیون کی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر چیز کے اسرار و خواص کو معلوم کرنا چاہتے ہین، مثلاً حروف تہجی کے کیا معنی ہین؟ حروف تہجی صرف ۲۹ کیون ہین؟ بعض حروف پر کیون نقطے لگائے گئے، اور بعض حروف پر کیون نہین لگائے گئے،[2]

یہی بات ہے جس کو زید بن رفاعہ اس طرح کہتا ہے، کہ ب کو جو صرف ایک نقطہ دیا گیا، اور ت پر جو دو نقطے لگائے گئے، اور الف پر کوئی نقطہ نہین لگایا گیا، اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا، لیکن چونکہ ان حقائق کا علم ہر شخص کو نہین ہو سکتا، اس لئے وہ اس کو علم باطن کہتے ہین، جس سے صرف ائمۂ اہلبیت ہی واقف ہو سکتے ہین، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہین کہ

"اے بھائی اکثر فلسفیون اور حقائق اشیاء پر بحث کرنے والون سے انبیاء علیہم السّلام کی کتابون کے اسرار مخفی رہ گئے، کیونکہ ان لوگون نے اُن سے بحث نہین کی اس لئے کہ وہ اُن کی سمجھ سے بالاتر تھے کیونکہ اُن کے معانی اُن ملائکہ سے ماخوذ ہین جن کو ملاءِ اعلیٰ کہتے ہین، اے بھائی تجھ کو اُن لوگون مین شامل نہین ہونا چاہیے، جو دنیوی زندگی کے ظاہر سے تو واقف ہین، لیکن آخرت سے غافل، جنکی خدا نے اپنی کتاب مین اس طرح بُرائی بیان کی ہے۔

صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یُبْصِرُوْن بہرے گونگے، اندھے ہین اسلئے یہ لوگ نہین دیکھتے،

---

[1] رسائل اخوان الصفا۔ جلد ۳ ص ۱۵، [2] الفرق بین الفرق ص ۲۹۲،

تو کیا تمھارے خیال مین یہ لوگ آواز نہین سنتے تھے؟ یا رنگ کو نہین دیکھتے تھے؟ یا معاش کے معاملے کو نہین سمجھتے تھے؟ یہ کچھ نہین، بلکہ خدا نے اُن کی بُرائی اس لئے بیان کی ہے، کہ وہ اُن معانی کو نہین سمجھتے تھے؟ جو پیغمبرون کی کتابون مین مذکور ہین، اور جن کی طرف ہم ان رسالون مین اشارہ کرتے ہین، اور اپنے بھائیون کو اُن کی دعوت دیتے ہین، یہ پیغمبرون کا یہی دین ہے، اور ربانیون اور احبار کا یہی مذہب ہے، جنھون نے خدا کی کتاب مین اُن مخفی اسرار کا تحفظ کیا ہے، جن کو صرف پاک لوگ چھو سکتے ہین، اور یہ لوگ اہلبیت ہین جن سے خدا نے نجاست کو دور کر دیا ہے، اور اُن کو خوب پاک و صاف کیا ہے،[1]

ان تمام تصریحات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتے تھے، اور صرف اس مذہب یا اُن اسرار و معانی کی دعوت دیتے تھے، جو اہلبیت سے ماخوذ ہین،

(۳) لیکن اس دعوت کا جو مقصد تھا، اس کے لئے ہم کو اس گروہ کی تنظیم و ترتیب پر غور کرنا چاہئے اس سلسلہ مین سب سے مقدم بات یہ تھی کہ اخوان الصفار کا انتخاب نہایت غور و فکر سے کیا جاتا تھا اور اس گروہ کے ہر فرد کو یہ ہدایت تھی کہ جب وہ کسی کو اپنا دوست یا بھائی بنانا چاہے، تو اس کو اس طرح پرکھے جس طرح درہم و دینار پرکھے جاتے ہین، یا بیج بونے یا درخت لگانے کیلئے عمدہ مٹی والی زمین کا انتخاب کیا جاتا ہے،[2] اگر کوئی شخص خود پسند، جھگڑالو، سخت دل، حاسد، کینہ پرور، منافق، ریاکار، بخیل، بزدل، مکار، بیوفا، متکبر، سرکش، حریص، اپنے استحقاق سے زیادہ مدح پسند ہو، یا اپنے ہمسرون کو حقیر سمجھتا ہو، یا اپنی قوت پر اعتماد رکھتا ہو، وہ مودت اور اخوت کے قابل نہین،[3]

ان بوڑھون کی اصلاح مین جو بچپن ہی سے بری رایون کے معتقد، اور بری عادتون اور وحشت انگیز اخلاق کے خوگر ہین، وقت ضائع نہین کرنا چاہئے کیونکہ کسی علم کے حاصل ہونے یا کسی عقیدہ کے معتقد ہونے سے پہلے روح کی حالت اس سادہ کاغذ کی ہوتی ہے، جس مین کچھ لکھا نہ گیا ہو، پھر جب اس مین حق یا باطل جو کچھ لکھدیا جاتا ہے

---

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۲۴۳ [2] ایضاً ص ۱۰۸، [3] ایضاً ص ۱۰۹،

تو اس میں کوئی دوسری بات نہیں لکھی جا سکتی، اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا مٹانا مشکل ہوتا ہے، بعینہ اسی طرح جب روح میں کوئی علم، کوئی اعتقاد، کوئی عادت خواہ وہ حق ہو یا باطل جاگزیں ہو جاتی ہے تو اس کا مٹانا دشوار ہو جاتا ہے، اس لئے صرف سلیم القلب اور مبتدی جوانوں کا انتخاب کرنا چاہئے، کیونکہ خدا نے صرف ان لوگوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، جو جوان تھے، اور اس بندے کو حکمت عطا فرمائی ہے، جو جوان تھا، خدا کے ہر پیغمبر کی سب سے پہلے تکذیب اس کی قوم کے فلسفی اور مناظرہ پسند بوڑھوں نے کی ہے[۵۰]، انسانوں کے چار درجے ہیں، بعض لوگ صاحبِ مال اور صاحبِ علم دونوں ہوتے ہیں، بعض لوگ دونوں سے محروم رہتے ہیں، بعض لوگوں کے پاس مال تو ہوتا ہے، لیکن علم نہیں ہوتا، بعض لوگوں کے پاس علم تو ہوتا ہے، لیکن مال نہیں ہوتا، تو ہمارے بھائیوں میں سے جس کے پاس علم اور مال دونوں ہوں وہ ان میں اپنے اس بھائی کو شریک کرے، جو دونوں سے محروم ہے، اور اس پر احسان نہ جتائے، اور اس کو حقیر نہ سمجھے، جس طرح باپ اپنے بیٹے پر احسان نہیں جتاتا، لیکن اگر ایک بھائی کے پاس مال تو ہو، اور علم نہ ہو تو اس کو اپنے ساتھ اُس بھائی کو شریک کر لینا چاہئے، جو صاحبِ علم ہو، یہ مال سے اس کی خدمت کرے، اور وہ علم سے اس کو بہرہ اندوز کرے، اور صاحبِ مال بھائی اپنے صاحبِ علم بھائی پر احسان نہ جتائے لیکن اگر صاحبِ علم بھائی کو جو مال سے محروم ہے، ایسا شخص نہ مل سکے جو مال سے اس کی اعانت کرے تو اس کو صبر کرنا چاہئے خدا کسی نہ کسی طرح اس کی مصیبت کو دور کر دے گا، لیکن جس بھائی کے پاس نہ علم ہے، نہ مال تو اس کے پاس پاکیزہ روح ہے، عمدہ اخلاق ہیں، اس کا دل آراء فاسدہ سے محفوظ ہے، وہ خیر اور اہلِ خیر کا دوست ہے، خدا نے اس کو جو کچھ دیا ہے، اس پر صابر اور راضی ہے، اس لئے اس کو جاننا چاہئے کہ یہ چیزیں مال اور علم دونوں سے بہتر ہیں، کیونکہ ہم نے بہت سے فلسفی اور علماء کو دیکھا ہے، کہ وہ فنِ اخلاق میں کتابیں لکھتے ہیں، اور لوگوں کو اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، لیکن خود اُن کے اخلاق

[۵۰] رسائل اخوان الصفاء، جلد ۴، ص ۱۱۴-۱۱۵۔

نہایت بُرے ہیں، اسی طرح ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جن کے پاس علم تو کم ہے لیکن اُن کے اخلاق عمدہ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خوش خلقی خدا کی ایک نعمت ہے[۵۱]۔

غرض علمی، مالی، اخلاقی، اور معاشرتی اشتراک کی بنا پر اس جماعت میں ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے اور ہر ملک میں اس کا جال پھیلا ہوا تھا، اور اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے ہر جگہ ایک خاص شخص مقرر تھا، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ہمارے بہت سے شریف اور فاضل بھائی اور دوست مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان میں ایک گروہ سلاطین، امراء، وزراء، عمال اور کتاب کی اولاد کا ہے، ایک گروہ اشراف، دہقانوں، تجار، اور مجاہدین کی اولاد کا ہے، ایک گروہ علماء، ادباء اور فقہاء کی اولاد کا ہے، ایک گروہ کاریگروں اور عام کاروباری لوگوں کی اولاد کا ہے، اور ہم نے ان میں سے ہر گروہ کے لئے اپنے ایک بھائی کو جس کی بصیرت اور علم کو ہم نے پسند کیا، مقرر کر دیا ہے تاکہ وہ ہمارا قائم مقام ہو، اور اُن کو نرمی، مہربانی اور شفقت سے نصیحت کرے[۵۲]، اس جماعت کی ایک خاص مجلس تھی، لیکن جو لوگ اس مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، اُن کی اصلاح و تربیت کے لئے یہ رسالے لکھے گئے تھے، جو اُن کو تقسیم کئے جاتے تھے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"ہمارے بھائیوں کو اس علم کی جن چیزوں کی ضرورت ہے، ہم نے ان کو ۵۱ رسالوں میں بیان کر دیا ہے، تو اگر تم ہماری مجلس میں حاضر نہ ہو سکو، تو ان کو دیکھو، اور اپنے جن بھائیوں کو تم پسند کرو اور ان میں ہدایت کے آثار پاؤ، اُن کے سامنے اُن کو پیش کرو[۵۳]"

جب یہ لوگ اس مجلس میں آتے تھے، اور اُن کے ساتھ کوئی نوخیز اور نوآموز شخص شریک ہوتا تھا، تو اس کے سامنے ایک خطبہ دیا جاتا تھا، جس کے الفاظ یہ تھے، کہ ہر سلطنت کا ایک وقت ہوتا ہے، جس سے اس کی ابتداء ہوتی ہے، اس کی ترقی کا ایک درجہ ہوتا ہے، جہاں تک وہ ترقی کرتی ہے، اور ایک حد پر پہنچ کر اس کی انتہا ہو جاتی ہے، لیکن جب وہ اپنے انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے، تو اس کو زوال

[۵۱] رسائل اخوان الصفاء، جلد ۴، ص ۱۱۵-۱۱۶-۱۱۷ [۵۲] ایضاً ص ۱۱۲ [۵۳] ایضاً ص ۲۲۱، ۲۲۲

ہونے لگتا ہے، اور دوسری سلطنت میں قوت ونشاط پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ روز بروز طاقتور اور یہ روز بروز ضعیف ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ پہلی سلطنت بالکل مٹ جاتی ہے، اور دوسری نوخیز سلطنت اس کی جگہ لے لیتی ہے،

جس طرح زمانے میں تغیرات ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح نیکی اور بدی کی سلطنت میں اہل زمانہ کی حالت بھی ہوتی ہے، کبھی دنیا میں قوت وغلبہ نیک لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی بد لوگوں کو، جیسا کہ خداوند تعالیٰ [نے کہا ہے]

تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ — ہم زمانہ کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں،

تو اے بھائیو! تم دیکھتے ہو کہ بد لوگوں کی قوت اس زمانہ میں اپنے انتہائی درجہ کو پہنچ گئی، اور انتہائی درجہ کے بعد صرف انحطاط اور نقصان ہی کا درجہ ہے، سلطنت ہر زمانہ میں ایک گروہ سے دوسرے گروہ، ایک خاندان سے دوسرے خاندان اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہوتی رہتی ہے، لیکن نیک لوگوں کی سلطنت کی ابتدا نیک اور فاضل لوگوں سے ہوتی ہے، جو ایک شہر میں جمع ہوتے ہیں، ایک رائے، ایک دین اور ایک مذہب پر اتفاق کرتے ہیں، باہم مضبوط عہد وپیمان کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے، اُن کو بے یار ومددگار نہ چھوڑیں گے، اور تمام معاملات میں یک جان دو قالب ہوجائیں گے، تو اے بھائیو! یہ اعتماد رکھو کہ اگر تم نے کوشش سے کام کیا، تو خدا تمھاری مدد کرے گا، جیسا کہ اس نے وعدہ کیا ہے کہ

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ، — خدا اس کی مدد کرے گا جو اسکی مدد کرتا ہے،

وان حزب اللّٰہ ھم الغالبون،[1] — صرف خدا ہی کا گروہ غالب ہوگا،

جو لوگ اس مجلس میں شریک نہیں ہوتے تھے، اُن کے پاس داعی اور مبلغ بھیجے جاتے تھے، اور داعی کے ذریعہ سے ان تک یہ پیغام پہنچایا جاتا تھا، چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ اے بھائی ہم نے تجھکو

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۲۲۲ - ۲۲۵،

ایک نیک اور دینی کام کے لئے انتخاب کیا ہے، تو ہمارے ایک بھائی کے پاس جا اور اس سے رفق وملاطفت کے ساتھ اس کی خلوت میں جب وہ فارغ البال ہو مل اور اس کو ہمارا سلام پہنچا، اور اس کے سامنے اس نصیحت کو پیش کرتا کہ وہ اس پر غور کرے، اور اس کو بتا کہ اس کے جن بھائیوں نے اس کو بھیجا ہے ان کی ایک مجلس ہے، جس میں وہ خلوت میں جمع ہوتے ہیں، علوم وفنون پر بحث کرتے ہیں مخفی اور راز کی باتوں پر گفتگو ہوتی ہے، انھوں نے اس مجلس میں ایک دن زمانہ کے انقلابات، مذاہب کے تغیرات اور سلطنتوں کے ادل بدل پر گفتگو کی، تو سب نے اس رائے پر اتفاق کیا کہ عنقریب دنیا میں ایک انقلاب رونما ہوگا، جس میں دین ودنیا کی بھلائی ہوگی، اور وہ یہ ہے کہ ایک نئی حکومت قائم ہوگی، اور سلطنت ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوجائے گی، دلیل عقل، تجربہ، قیاس، زجر، فال، کہانت، فراست، نجوم اور خواب، سب سے ہم نے اس کو معلوم کرلیا ہے، اور نئے بادشاہ کے اوصاف سے واقف ہوگئے ہیں اور اُس سال اُس مہینہ کو جان لیا ہے جس میں یہ انقلاب رونما ہوگا، اگر وہ اس نصیحت کو قبول کرلے تو فبہا، اور اگر توقف کرے، اور یہ کہے کہ اس کی علامت کیا ہے؟ اور اس کی تصدیق کیونکر کیجا سکتی ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے دلائل وعلامات تو ظاہر ہیں، لیکن اُن کو وہی شخص جان سکتا ہے، جو علوم پر ہماری طرح نگاہ ڈالے، اور اُن سے ہماری طرح واقف ہو،[1]

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کا اصلی مقصد ایک سیاسی انقلاب اور ایک نئی سلطنت کا قیام تھا، انھوں نے علم، مذہب اور اخلاق کے ذریعہ سے اس انقلاب کو پیدا کرنا چاہا ہے، اور چونکہ انسانوں کے مختلف گروہ ہیں، اور ہر گروہ پر مختلف علوم، مختلف مذاہب اور مختلف عقائد کا اثر پڑتا ہے، اس لئے انھوں نے ہر علم، ہر مذہب، اور ہر عقیدہ کو اس کا ذریعہ بنایا ہے، اور اپنے بھائیوں کو یہ نصیحت کی ہے، کہ وہ کسی علم سے دشمنی نہ رکھیں، یا کسی کتاب کو نہ چھوڑیں، کسی مذہب سے تعصب نہ رکھیں، کیونکہ ان کا مذہب تمام مذاہب

[1] رسائل اخوان الصفا جلد ۴ ص ۲۲۷، ۲۳۰،

کو شامل ہے،

عام طور پر اُن کے علم کے ماخذ چار ہین،

۱۔ وہ کتابین جو حکمارنے ریاضیات اور طبعیات پر لکھی ہین،

۲۔ وہ کتابین جو پیغمبرون پر نازل ہوئین، مثلاً توراۃ، انجیل، قرآن، اور انبیا، کے دوسرے صحیفے

۳۔ صحیفۂ فطرت، یعنی آسمانون کی ترکیب، بروج کے اقسام، ستارون کی حرکت، ان کے اجرام کی مقدار، عناصر کے تغیرات، کائنات کی مختلف قسمین مثلاً معدنیات، حیوانات، نباتات انسانی مصنوعات،

(۴) کتب الٰہیہ جس کو صرف پاک لوگ یعنی فرشتے چھو سکتے ہین، اور یہ جواہر نفوس کے اجناس انواع اور جزئیات ہین، جو اجسام مین تصرف کرتے ہین، ان کو حرکت دیتے ہین، اُن کی تدبیر کرتے ہین اور وقتاً فوقتاً اُن کے افعال کو پیدا کرتے ہین[1]

لیکن طرز تحریر فلسفیانہ اور متکلمانہ نہین ہے، بلکہ خطیبانہ، شاعرانہ اور انشا پردازانہ ہے، غالباً کلیلہ و دمنہ کا ان پر اثر پڑا ہے، اور بہت سی باتین جانورون کی زبان سے بیان کی گئی ہین، اور جا بجا قصص و حکایات کے ذریعہ سے مطالب کو سمجھایا گیا ہے، اس لئے کتاب دلچسپ تو ضرور ہو گئی ہے لیکن اس کو فلسفہ کی کتاب نہین کہا جا سکتا، اس لئے قدیم زمانہ کے فلسفیون نے اس کو بہت زیادہ دلچسپی کے ساتھ نہین دیکھا چنانچہ ابو حیان توحیدی سے جب وزیر صمصام الدولہ نے پوچھا کہ "تم نے ان رسالون کو دیکھا ہے"؟ تو اس نے کہا کہ مین نے ان کو دیکھا ہے، وہ ہر فن پر مشتمل ہین لیکن وہ بالکل ناکافی ہین اور ان مین خرافات، کنایات اور رنگ آمیزیان بہت ہین، مین نے ان مین سے چند رسائل اپنے شیخ ابو سلیمان منطقی سجستانی محمد بن بہرام کی خدمت مین پیش کئے، اور انھون نے ان کو چند دنون تک غور و

[1] رسائل اخوان الصفاء جلد ۴ ص ۱۰۵ و ۱۰۶،

کے ساتھ دیکھ کر واپس کر دیا، اور کہا کہ ان لوگون نے تکلیفین تو بہت اٹھائین لیکن لاحاصل چشمے کے گرد گھومتے رہے لیکن اس کے کنارے اتر نہ سکے، راگ تو گائے لیکن کسی کو حال نہ آیا، بال تو سنوارے لیکن اس مین اور پیچ و خم پڑ گئے، اُن لوگون نے ایک ناممکن خیال قائم کیا، یہ گمان کیا کہ فلسفہ یعنی علم نجوم، علم افلاک و مقادیر مجسطی، آثار طبیعیہ، موسیقی اور منطق کو شریعت مین شامل کر کے شریعت اور فلسفہ کو باہم مربوط کر دین، لیکن یہ بڑی دشوار گذار راہ ہے، ان سے پہلے ایک قوم نے جو اُن سے بہت زیادہ تیز دست، طاقت ور، سرمایہ دار اور بلند رتبہ تھی، اس قسم کی کوشش کی تھی لیکن ناکامیاب رہی، نجاستون مین آلودہ ہو گئی، اور اس کا انجام نہایت ذلت انگیز ہوا

اس موقع پر بخاری ابن العباس نے اُن سے پوچھا کہ ایسا کیون ہوا؟ انھون نے کہا کہ "شریعت بذریعہ ایک سفیر کے خداوند تعالیٰ سے وحی، مناجات، شہادت آیات، اور ظہور معجزات کے طریقہ سے ماخوذ ہے، اور یہ ایسی چیزین ہین، جن پر بحث و تدقیق نہین کی جا سکتی، ان کو صرف مان لینا چاہئے، اور یہان اس قسم کے سوالات نہین کرنے چاہئین، کہ ایسا کیون ہوا؟ کیونکر ہوا، یہ کیون نہین ہوا؟ کاش ایسا ہوتا؟ بلکہ اُن کی بنیاد ان حدیثون پر قائم ہے، جو اہل ملت مین مشہور ہین، اور اُن پر امت نے اتفاق کر لیا ہے، ان مین ستارون کے اثر کے متعلق نجومیون کی، طبیعت کے آثار، حرارت، برودت، رطوبت، اور یبوست، اور فعل و انفعال کے متعلق طبعیین کی، اشیاء کی مقدار کے متعلق مہندسون کی، اور اقوال اور اسماء و افعال کے متعلق منطقیون کی باتین شامل نہین ہین، ایسی حالت مین اخوان الصفاء کے لئے یہ کیونکر جائز ہے کہ وہ ایک ایسی ہمہ گیر دعوت کا پروگرام بنائین، جو شریعت مین فلسفیانہ حقائق کی جامع ہو، ان لوگون کے علاوہ صاحب عزیمت، صاحب کیمیا، صاحب طلسم، معبرین خواب، مدعیان سحر اور شعبدہ بازون کی ایک جماعت بھی ہے، جو اسی قسم کے مقاصد رکھتی ہے، تو اگر یہ باتین جائز ہوتین، تو خداوند تعالیٰ اُن پر تنبیہ کرتا، اور صاحب شریعت اُن کو استعمال کر کے اپنی شریعت کو مکمل بناتا اور

اُن کے اضافہ سے شریعت کے نقص کی تلافی کرتا، اور فلسفیون کو اُن کی توضیح و تکمیل پر آمادہ کرتا، لیکن نہ تو اُس نے خود ایسا کیا اور نہ یہ کام اپنے خلفار کے سپرد کیا، بلکہ ان چیزون پر غور و فکر کرنے کی ممانعت کی، اور فرمایا کہ جو شخص، عراف، کاہن، اور منجم کے پاس اس غرض سے گیا کہ اس کو غیب کی باتین معلوم ہو جائین، اُس نے خدا سے لڑائی مول لی، اور جو شخص خدا سے لڑے گا، اور اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہے گا، وہ خود مغلوب ہو جائے گا۔ اس کے بعد انھون نے کہا کہ امت نے اصول و فروع مین بہت سے اختلافات کئے، حلال و حرام، تفسیر و تاویل، اور عادت، و اصطلاح کے متعلق ان مین نزاعین پیدا ہوئین، لیکن انھون نے ان مباحث مین منجم، طبیب، منطقی، ریاضی دان، موسیقی دان، صاحب عزیمت شعبدہ باز، ساحر اور ارباب کیمیا سے مدد نہین لی، کیونکہ خدا نے اس دین کی تکمیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے کی، اور اس بیان کے بعد جس کا ذریعہ وحی تھا، آپ کو ایسے بیان کا محتاج نہین کیا جس کا ذریعہ رائے ہے، جس طرح یہ امت ارباب فلسفہ کی محتاج نہین ہے، اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت یعنی یہود، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت یعنی عیسائی، اور مجوسی بھی ارباب فلسفہ کے محتاج نہین ہین، اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ اس امت مین رائے اور مذاہب کے لحاظ سے بہت سے اختلافات پیدا ہوئے، اور ان اختلافات کی بنا پر بہت سے فرقے مثلاً معتزلہ، مرجیہ، شیعہ، اہلسنت والجماعۃ، اور خوارج پیدا ہو گئے، لیکن اُن مین کوئی گروہ فلسفیون کا محتاج نہین ہوا، اور نہ اُن کے دلائل سے اپنے عقائد ثابت کئے، اسی طرح فقہار نے بھی جن مین ابتدائی زمانہ کے اب تک حلال و حرام کے احکام مین بہت سے اختلافات پیدا ہوئے فلسفیون سے مدد نہین لی، پھر دین اور فلسفہ مین کیا تعلق ہے؟ اور جو چیز وحی سے ماخوذ ہے، اس کو اُس چیز سے کیا علاقہ جو رائے سے ماخوذ ہے؟ اگر وہ عقل سے استدلال کرتے ہین، تو اگر عقل کافی ہوتی، تو وحی کا کیا فائدہ تھا؟ اس کے علاوہ عقل مین لوگون کے درجے باہم مختلف ہین، کل عقل ایک ہی شخص کو نہین ملی ہے، بلکہ اس مین

سب لوگ شریک ہین، اس لئے اگر عقل کے بھروسہ پر ہم وحی سے بے نیاز ہو جائین، تو کیا کر سکتے ہین؟ اگر کوئی شخص جہالت سے یہ کہے کہ ہر عاقل کے لئے صرف اس کی عقل کافی ہے، اس کو دوسرے کی عقل کی ضرورت نہین، تو اس مین کوئی شخص اس سے اتفاق نہ کرے گا، اگر دین و دنیا کے تمام کامون مین ایک شخص صرف اپنی عقل پر اعتماد کرلے تو اس کو اپنی دین و دنیا کی تمام ضرورتون مین اپنی ہی قوت پر اعتماد کرنا ہو گا، اور تمام علوم و صنائع مین وہ اپنے اور بھائیون کا محتاج نہ ہو گا، اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تائید کسی نے نہین کی، اس پر نجاری نے یہ اعتراض کیا کہ وحی مین انبیار کے درجے بھی مختلف ہین، اور جب وحی مین یہ جائز ہے، اور اس سے اس مین کوئی نقص نہین پیدا ہوتا، تو یہ عقل مین بھی جائز ہو سکتا ہے؛ لیکن انھون نے اس کا یہ جواب دیا کہ اصحابِ وحی کے درجات کے اختلاف نے اُن کے قابلِ اعتماد ہونے پر کوئی اثر نہین ڈالا، لیکن مختلف عقلون سے کام لینے والون مین یہ اعتماد مفقود ہے، اب وزیر نے کہا کہ کیا مقدسی نے بھی یہ باتین سنین؟ اُس نے کہا کہ باب الطاق مین مسودہ نویسون کے سامنے مین نے یہ اور اسی قسم کی اور باتین گھٹا بڑھا کر اور آگے پیچھے کر کے اس سے کہین لیکن وہ خاموش رہا، اور مجھکو اس کے جواب کے قابل نہین سمجھا، لیکن ابن طرارہ کے غلام حریری نے اس کو مسودہ نویسون کے سامنے اسی قسم کی باتون سے اشتعال دلایا، تو اوس نے مشتعل ہو کر کہا کہ شریعت مریضون کی طب اور فلسفہ صحیح و تندرست لوگون کی طب ہے، پیغمبر لوگ مریضون کا علاج کرتے ہین، تاکہ ان کا مرض بڑھنے نہ پائے، یہان تک کہ مرض زائل ہو جائے، اور صحت عود کر آئے، لیکن فلاسفہ حفظان صحت کا فرض انجام دیتے ہین، تاکہ لوگون مین مرض پیدا ہی نہ ہونے پائے، اور مریض اور تندرست لوگون کے مدبرین مین جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے، کیونکہ مریض کی تدبیر کے یہ معنی ہین، کہ اگر دوا موثر ہو، طبیعت مین اس کے اثر کے قبول کرنے کی صلاحیت ہو، اور طبیب مخلص ہو تو صحت عود کر آئے، اور تندرست آدمی کی تدبیر کا مقصد یہ ہے کہ صحت محفوظ رہے، اور جب صحت محفوظ ہو گی تو

وہ تمام فضائل کو حاصل کرسکے گا، اور وہ سعادت عقلی کے حاصل کرنے مین کامیاب ہوگا، اور خدائی
زندگی کا مستحق ہوجائے گا جس کے معنی دائمی بقا کے ہین، اگرچہ وہ شخص بھی جو طبیب کی دوا سے مرض
سے شفایاب ہوتا ہے، ان فضائل کو حاصل کرسکتا ہے، لیکن یہ فضائل پہلے فضائل سے مختلف ہین،
کیونکہ ایک تقلیدی ہے، دوسرا برُہانی، ایک ظنی ہے، اور دوسرا یقینی، ایک روحانی ہے، دوسرا
جسمانی، ایک ابدی ہے، اور دوسرا وقتی، [1]

ان رسائل کے متعلق گذشتہ دور مین اس سے زیادہ تفصیلی رائے نہین مل سکتی، لیکن موجودہ
دور مین اُن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ

۱- اسماعیلی شیعون کی ایک انقلاب انگیز سیاسی جماعت تھی، جو ابو سلیمان نہرجوری کے
مکان مین جمع ہوتی تھی، اور جب کوئی اجنبی اس مین شریک ہوجاتا تھا، تو رمز و کنایہ مین گفتگو
کرتی تھی، زید بن رفاعہ ان اجتماعات مین شریک ہوتا تھا، اور اسی طریقۂ اجتماع نے وزیر صمصام الدولہ
کے دل مین اس کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کئے،

۲- چوتھی صدی مین مسلمانون کا سیاسی زوال انتہائی درجہ کو پہنچ گیا تھا، اور ہر جگہ طوائف الملوکی
پھیل گئی تھی، لیکن اسی کے ساتھ مسلمانون کی عقلی زندگی نہایت ترقی یافتہ ہوگئی تھی، اور تمام دنیا
کی قومون کے علوم و فنون اسلامی تمدن کا جزو ہوگئے تھے،

۳- اخوان الصفاء کی جماعت اسی سیاسی نظام کو الٹنا چاہتی تھی لیکن اسی کیساتھ وہ نظام عقلی مین بھی
انقلاب پیدا کرکے ایک جدید نظامِ عقلی قائم کرنا چاہتی تھی، اور اس نے اس معاملہ مین یونانیون کی تقلید کی تھی، کیونکہ فیثاغورثیون
کی جماعت بھی یونانی نظامِ سیاست کو سخت ناپسند کرتی تھی، اور اس مین انقلاب پیدا کرنا چاہتی تھی جن کیلئے
انھون نے بہت سے طریقے ایجاد کئے تھے، جن مین سب سے اہم طریقہ یہ تھا کہ انھون نے نظامِ عقلی کو

[1] اخبار الحکما قفطی صفحہ ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۱۶۳

بدل کر ایک نیا فلسفہ پیدا کرنا چاہا تھا جس کے ذریعہ سے ایک ایسی عقلی اور عملی زندگی پیدا ہوجائے جو اس
نئی سیاست کے لئے موزون ہو، اور عام معاملات اس جماعت کے زیر اقتدار آجائین،

افلاطون نے بھی عقلی حیثیت سے ایک سیاسی نظام قائم کیا تھا جس کی تفصیل اُس نے کتاب
جمہوریت مین کی ہے، یہ نظام افلاطونی فلسفہ کی بنیاد پر قائم ہوا تھا جس طرح فیثاغورثی جماعت
کے سیاسی نظام کی بنیاد فیثاغورثی فلسفہ پر قائم تھی، تمام یونانی فلسفیون کا اس پر اتفاق ہے کہ
کوئی سیاسی نظام اُس وقت تک کامیاب نہین ہوسکتا جب تک ایک ایسا نظام تربیت نہ قائم
کیا جائے، جو اس سیاسی نظام کے لئے موزون ہو، اور فرد و جماعت کو اس کی تائید و مدافعت کیلئے
تیار کردے، افلاطون نے جمہوریت مین اور ارسطو نے کتاب السیاستہ مین اسی نظام تربیت کو اہمیت
دی ہے، اور اخوان الصفاء کی جماعت اس معاملے مین افلاطون اور فیثاغورث دونون سے
متاثر ہے، اور جس طرح فیثاغورث کو کسی قدر سیاسی کامیابی یونان مین حاصل ہوئی تھی،
اسی طرح اس جماعت کو بھی سیاسی کامیابیان حاصل ہوئین، اور اسماعیلیون کو عالم اسلامی
کے بعض حصون مین اقتدار حاصل ہوگیا،

۴- اگرچہ اس قسم کی مخفی جماعتون کا قائم ہونا بذاتِ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانہ
مین مسلمانون کی سیاسی حالت کس قدر ابتر ہوگئی تھی، تاہم ان رسائل مین اس زمانہ کی سیاسی
حالت سے زیادہ اس زمانہ کی عقلی زندگی کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، ہم کو صاف نظر آتا ہے کہ
اسلامی عقل نے یونان کے فلسفہ، ہندوستان کی حکمت، ایرانیون اور عربون کے آداب، اور ہر
آسمانی اور غیر آسمانی مذہب کے حقائق کو اخذ کرلیا ہے، اور ان کی ترتیب و تنظیم سے ایک ایسا موزون
مجموعہ تیار کرلیا ہے، جو ہر روشن خیال شخص کے لئے قابلِ قبول ہے، اس لئے یہ رسائل فلسفہ
کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہین جن مین افلاطون، فیثاغورث اور ارسطو سب کا فلسفہ موجود ہے،

اس کے علاوہ اس دور میں اسلامی فلسفہ پر مذہب، اخلاق اور تصوف وغیرہ کا جو اثر پڑا ہے، اُن سب کی تفصیل ہے، یہاں تک کہ ان میں خرافات کا ایک حصہ بھی شامل ہے، فارابی اور ابن سینا نے فلسفہ کی جو کتابیں لکھی تھیں، وہ مخصوص لوگوں کے لئے تھیں، لیکن ارباب رسائل اخوان الصفا نے یہ رسالے عام لوگوں کے لئے لکھے ہیں، اس لئے اس میں فلسفیانہ دقیق عبارتیں نہیں پائی جاتیں، بلکہ صاف وسلیس ادبی رنگ پایا جاتا ہے، لیکن بااین ہمہ اُن سے فلسفہ کی تعلیم دینا مقصود نہیں، بلکہ ایک ایسا مجموعہ تیار کرنا مقصود ہے جو ایک خاص قسم کی سیاست کے لئے ایک جماعت کو تیار کر دے، اس لئے انھوں نے اُس کی عام اشاعت نہیں کی،

اعلان

(۱) یکم جنوری ۴۹ء سے دار المصنفین کی مطبوعات کی سابقہ قیمتوں میں صفحات کے اعتبار سے مناسب ترمیم کر دی گئی ہے، اُمید ہے کہ خریداروں اور تاجروں کو قیمت کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ ہوگی،

(۲) یکم جنوری ۴۹ء سے کمیشن کے قواعد پر بھی نظر ثانی کی گئی ہے، کمیشن اب صرف مستقل تاجروں کو جو کم از کم ۱۰۰ روپیہ تک کی کتابیں خریدیں گے، سیرت پر ۲۰٪ اور دیگر مطبوعات دار المصنفین پر ۲۵٪ فی صدی دیا جائیگا، اس سے کم قیمت کی فرمایش پر کوئی کمیشن نہیں دیا جائے گا،

(۳) سیرت النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ میں جن جلدوں کی کمی تھی، ان کی دوبارہ طباعت ہو رہی ہے، امید ہے آیندہ ششماہی میں یہ دونوں سٹ مکمل ہو جائیں گے،

ہندوستان کے کتب خانے

از مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی

اس مضمون کا انگریزی ترجمہ اسلامک کلچر حیدر آباد میں چھپ چکا ہے، لیکن اصل مضمون شائع نہیں ہوا تھا، جو اب شائع کیا جاتا ہے،

دوسری قوموں کی طرح ابتدا میں ہندوؤں میں بھی لکھنے کی رسم نہ تھی، بھوج پتر کی ایجاد اور چینیوں کے ریشمی کپڑے کی آمد کے بعد یہاں لکھنے کا رواج شروع ہوا، ابتدا میں وید، مہابھارت، گیتا، وغیرہ مذہبی کتابیں لکھی گئیں، لکھنے پڑھنے والوں کا خاص فرقہ برہمنوں کا تھا، جس کا بڑا وقت پوجا پاٹ، قربانی اور تعلیم میں صرف ہوتا، اور یہ سب کام مندروں یا مندر سے متعلق عمارتوں میں انجام پاتے، چنانچہ ان کی لکھی ہوئی کتابیں بھی انہی مقامات میں ہوتیں،

برہمنوں کے بعد جب بدھوں کا دور آیا، تو انھوں نے مندروں کے علاوہ خاص قسم کی خانقاہیں تعمیر کرائیں، تعلیم و تربیت، طالب علموں اور معلموں کا قیام انہی میں ہوتا، اور انہی کے ایک حصہ میں کتب خانہ ہوتا، جس کو "پستک بھنڈار" کہتے تھے،

مشہور چینی سیاح ہونگ شیانگ جب ہندوستان آیا ہے (سنہ ۶۳۰ء) تو اس نے ہر خانقاہ میں ایک کتب خانہ دیکھا، راج گرٹھ کے پاس مشہور دار العلوم نالندہ میں جو کتب خانہ تھا، اس سے بہت سی کتابیں نقل کر کے وہ اپنے وطن چین ساتھ لے گیا[1]، یہ کتب خانہ عرصہ دراز تک قائم رہا،

---

[1] سفرنامہ ہونگ شیانگ سفر نالندہ ص ۵۱ لاہور،

یہاں تک کہ محمد بن بختیار خلجی نے راج گڑھ فتح کر لیا[1]، اس وقت برہمنوں کی نادانی سے یہ کتب خانہ ضائع ہوگیا، اس کے علاوہ پاٹلی پتر (پٹنہ) اجین (مالوہ) بھروچ (گجرات) متھرا، اور بنارس وغیرہ میں بھی بہت کتب خانے تھے، مندروں میں جو کتب خانے تھے، ان میں سے بعض فیروز شاہ تغلق کے عہد میں مسلمانوں کو دستیاب ہوئے، چنانچہ جوالہ مکھی کے مندر میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں موجود تھیں، جن میں سے بعض کا ترجمہ بھی فیروز شاہ تغلق نے کرایا تھا[2]،

تغلق کے زمانہ میں کتب خانہ

سلطان محمد شاہ تغلق متوفی ۷۵۲ھ ہندوستان کے ان بادشاہوں میں سے ہے، جس کا حال ملکی اور غیر ملکی دونوں مورخوں نے لکھا ہے، اس کا دربار علماء، فضلا، شعرا اور ادیبوں سے معمور تھا، سعد منطقی، عبید اور بدر چاچی شاعر، ضیا برنی مورخ، مولانا عضد الدین، مولانا ناصر الدین، ملک غازی فقیہ شاعر، قاضی غزنین، مولانا رکن عالم، مولانا نصیر الدین چراغ دہلوی، جیسے یگانۂ روزگار اس کے دربار کے روشن ستارے تھے، قلقشندی نے لکھا ہے، کہ محمد تغلق کے زمانہ میں صرف دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے[3]،

خود محمد تغلق کی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ تقریر فصیح اور کلام شیریں کرتا تھا، عربی اور فارسی میں مراسلات فی البدیہہ لکھتا، نہایت خوشخط اور بڑا طباع اور ذہین تھا، ابتدائی باتوں سے لوگوں کا مافی الضمیر سمجھ لیتا، حافظہ اس قدر قوی تھا کہ ایک بار جو سن لیتا عمر بھر نہ بھولتا، فن تاریخ کا ماہر تھا، فلسفہ سے خاص رغبت تھی، طب، نجوم، ریاضی، منطق میں کمال رکھتا تھا[4]، یہ ظاہر ہے کہ جو بادشاہ زیور علم سے اسقدر آراستہ اور علم کا ایسا قدردان ہوا اس کا کتب خانہ ضرور ہوگا، لیکن زمانہ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ مورخوں نے اس کی ۲۵ سالہ سلطنت کے ایک ایک خط و خال کا نقشہ کھینچا ہے، مگر کتب خانہ کا نام تک نہیں لکھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں مسجدوں اور خانقاہوں میں کتب خانے ہوتے تھے،

[1] طبقات ناصری ص ۱۴۸، کلکتہ [2] فرشتہ ج اول ص ۱۴۳ نولکشور، [3] صبح الاعشیٰ ج ۵ ص ۶۹ [4] فرشتہ ج اول حالات محمد تغلق،

نظام الدین اولیاؒ کا کتبخانہ

چنانچہ اسی زمانہ میں (یعنی علاء الدین خلجی سے لیکر سلطان محمد تغلق کے عہد تک) دہلی کے مشہور بزرگ نظام الاولیا حضرت نظام الدین بدایونی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۵ھ کی خانقاہ میں ایک بڑا کتب خانہ تھا، آپ کی خانقاہ دہلی (قدیم) کے محلہ غیاث پور میں تھی، (اور آج بھی وہیں ہے مگر اب اس محلہ بلکہ کل آبادی کو جو اس جگہ ہے "نظام الاولیا" کہتے ہیں)

آپ کی خانقاہ کا کتب خانہ وقف تھا، اور ہر صاحب علم بلا امتیاز اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا، شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ایک جگہ شیخ سراج الدین عثمان کے حالات میں لکھتے ہیں:-

> وبعد ازاں پیش مولانا رکن الدین کافیہ ومفصل وقدوری ومجمع البحرین تحقیق کردہ وبعد از نقل شیخ نظام الدین قس، سہ سال دیگر تعلیم کرد و بعضے کتب از کتاب خانہ شیخ کہ وقف بود وجامہ وخلافت نامہ کہ از خدمت شیخ یافتہ بود با خود برد[1]،

فیروز شاہی کتب خانہ

سلطان محمد کی طرح سلطان فیروز شاہ تغلق، متوفی ۷۹۰ھ بھی صاحب علم اور صاحب تصنیف تھا، فتوحات فیروزی اس کی مشہور تصنیف ہے، علم کا بڑا قدردان تھا، اور اس کا دربار علماء، فضلاء، شعراء اور دوسرے اصحاب کمال سے بھرا رہتا، ضیاء برنی اور عفیف سراج جیسے مورخ، اور ادیب، مطہر ہندی جیسے شاعر، تاتار خاں جیسے عالم اور مفسر علماء سے اس کا دربار آراستہ تھا، اس نے اپنے زمانہ میں بڑی بڑی مسجدیں اور مدرسے بنوائے، اور ان کے مصارف کے لیے ہزاروں روپے کے اوقاف مقرر کیے، اس کے شاہی کتب خانہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں ملتا، لیکن ظاہر ہے کہ جو شخص خود صاحب تصنیف اور علم کا قدردان ہو اس کا قصر شاہی کتب خانہ کے وجود سے کیونکر خالی رہ سکتا ہے، پھر جوالا مکھی کے مندر سے جو کتابیں ہاتھ لگیں جن کی تعداد ایک ہزار تین سو تھی، وہ آخر کہاں گئیں[2]؟

تاریخی تتبع سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اس زمانہ میں محکمۂ تراجم بھی قائم تھا، چنانچہ فرشتہ نے ایک جگہ

[1] اخبار الاخیار ص ۱۸۱ [2] فرشتہ ج اول ص ۱۴۴، وطبقات اکبری ص ۲۳۳

لکھا ہے :-

پادشاہ علمائے آں طائفہ راطلب کردہ بعضے ازاں کتب راترجمہ فرمود،

ازاں جملہ اعزالدین خالد خانی کہ شعرائے آں عصر بود، کتابے در حکمت طبعی وشگون وتفاولات

در سلک نظم کشیدہ "دلائل فیروز شاہی" نام کردہ والحق آں کتابیست متضمن اقسام حکمت عملی وعلمی،[1]

تاتار خانی کتب خانہ اس زمانہ میں علمی مذاق عام ہو گیا تھا، دربار کے امراء صاحب علم اور علم کے قدرداں تھے، چنانچہ اسی دربار کا امیر تاتار خاں بڑا فاضل شخص تھا، کلام مجید پر اس کو بڑا عبور تھا، اس نے ایک تفسیر لکھی تھی، جس میں خلافیات کو بتفصیل بیان کیا تھا، عفیف سراج لکھتا ہے :-

تاتار خاں کی صحبت میں ہمیشہ علماء اور مشائخ رہتے، تفسیر تاتار خانی جو دنیا میں مشہور ہے وہ اسی کی لکھی ہوئی ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ جب اس نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا، تو اس کے لیے ہر قسم کی تفسیریں جمع کیں اور علماء کے سامنے مفسروں کے اختلافات کو جمع کرکے یکجا کیا، اور بڑی تندہی سے یہ تفسیر مرتب کی، جا بجا تفسیروں کا حوالہ بھی دیا، کتاب مکمل ہونے کے بعد اس کا نام "تفسیر تاتار خانی" رکھا،[2]

اسی طرح در مختار، اور شامی کی مثل ایک فتوی کی کتاب ترتیب دینے کا ارادہ کیا جس میں فقہ کے تمام مختلف فیہ مسائل درج ہوں، چنانچہ مورخ مذکور اس کی نسبت لکھتا ہے :-

اسی طرح خان اعظم (تاتار خاں) نے ایک کتاب فتاوی کی مرتب کی، اس کی ترتیب اس طرح کی کہ دہلی کے تمام فتاووں کو جمع کرکے ہر مختلف فیہ مسئلہ کو اپنی کتاب میں درج کیا، اور اختلاف کرنے والے مفتی کے نام کا حوالہ بھی دیا، بڑی کاوش اور محنت کے بعد تیس (یا تین جلدوں) میں یہ کتاب مکمل ہوئی، تکمیل کے بعد اس کا نام "فتاوی تاتار خانی"[3] رکھا،

اس بیان کے بعد اس کا کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ تاتار خاں کے پاس کوئی بڑا کتبخانہ نہ رہا ہوگا،

---

[1] فرشتہ ج اول ص ۱۴۰ و طبقات اکبری ص ۲۲۳ [2] تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ص ۳۹۲ [3] ایضاً

غازی خاں کا کتب خانہ تغلق کے بعد ہندوستان میں طوائف الملوکی پھیل گئی، ہر صوبہ دار خود مختار بادشاہ بن گیا، اس وقت پایہ تخت دہلی اولوالعزم اشخاص کا سیاسی مرکز تھا، اس لیے اس پر مغل (تیمور)، سادات اور لودی یکے بادیگرے قابض ہوئے، لیکن ان کو کبھی اطمینان سے سلطنت کرنا نصیب نہ ہوا، کیونکہ انکو ہر وقت کسی نہ کسی دعویدار سلطنت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، پھر بھی علمی ذوق امراتک عام ہو چکا تھا، اور وہ اپنے محلوں میں کتب خانہ کا قیام ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ غازی خاں جو سلطان ابراہیم لودی کے دربار کا ایک بڑا معزز امیر تھا، اس کا ایک خاص کتب خانہ قلعہ کے اندر تھا، ۹۳۲ھ میں جب بابر نے اس کو فتح کیا تو یہ کتب خانہ بھی اس کے قبضہ میں آیا، تزک بابری میں ہے،

دوشنبہ کے دن قلعہ میں سیر کرتا ہوا غازی خاں کے کتب خانہ میں پہنچا، چند اچھی کتابیں اس میں سے نکال کر کچھ ہمایوں کو دیں اور کچھ کامران مرزا کو کابل بھجوا دیں، دینی کتابیں اس میں زیادہ ہیں، اور میرے خیال کے بموجب عمدہ کتابیں اس میں کم نکلیں،[1]

اس بیان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسی طرح دوسرے امراء کے ذاتی کتب خانے بھی موجود ہوں گے، جن کے ذکر سے تاریخیں خالی ہیں،

بابر کا کتب خانہ بابر، شاعر، ادیب، مصنف اور صاحب علم فرمانروا تھا، زمانہ نے اس کو اطمینان سے ایک جگہ بیٹھنے نہ دیا، آخر عمر میں جب کابل اور دہلی پر اس کا قبضہ ہوا تو ایک گونہ اطمینان سے زندگی بسر ہونے لگی، اس وقت امور سلطنت سے جب اس کو فرصت ملتی تو علمی مشاغل کی طرف توجہ کرتا، شاہی کتب خانہ کے علاوہ اس کا ذاتی کتب خانہ بھی تھا، جہاں اپنے مذاق کی چیدہ کتابیں رکھتا تھا،[2] چنانچہ جب اس کو زہر دیا گیا تو اسی کتب خانہ میں اس نے آکر تھوڑی دیر آرام لیا تھا،

ہمایوں کا کتب خانہ الولد سرلابیہ کے مطابق ہمایوں بھی علمی مذاق میں اپنے باپ سے پیچھے نہ تھا،

---

[1] تزک بابری قلمی دارالمصنفین فارسی [2] تزک بابری قلمی مذکور و ترجمہ اردو ص ۳۳۶ مطبوعہ دہلی،

اس کو ادب، شاعری، اور علم ہیئت سے خاص دلچسپی تھی، اور اس کی خاص مجلسوں میں ہمیشہ علمی چرچے رہتے، مشہور امیر البحر سید علی ترکی نے اپنے سفرنامہ میں متعدد جگہ اس کا تذکرہ کیا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے کہ "القصہ ان دنوں نظم اور شاعروں کا بڑا زور تھا، اس لیے مجھے ہمیشہ بادشاہ کے حضور میں رہنا پڑتا"، [1]

ہمایوں کے دربار میں جب کوئی ماہر فن آجاتا تو اس سے اس فن میں کام لینے کی کوشش کرتا، سید علی ترکی شاعری کے علاوہ علم ہیئت سے بھی پوری واقفیت رکھتا تھا، ہمایوں نے پہلے اسکو ایک ضلع کی حکومت دیکر ملازم رکھنا چاہا، مگر جب اس نے ہندوستان میں رہنا منظور نہ کیا تو اس سے کہا گیا کہ کم از کم تین مہینے دہلی میں قیام کرنا پڑے گا، کیونکہ برسات کے باعث تمام سڑکیں زیر آب ہیں۔ اس درمیان میں سورج گرہن کے حساب کی جانچ کا کام اس کے سپرد ہوا، چنانچہ وہ ہندوستانی علماے ہیئت کے ساتھ ہمایوں کے مرنے تک برابر اس کام میں مصروف رہا، ایک جگہ لکھتا ہے:۔

بادشاہ نے درخواست منظور کی، مگر فرمایا کہ برسات کے باعث سڑکیں اچھی حالت میں نہیں ہیں اس لیے تین ماہ کے بعد سفر کے لائق ہوں گی، اس مدت میں چاند اور سورج گرہن کا حساب کیسے اور علماے ہیئت کو آفتاب کی گردش اور خط استوا کے نکات پڑھنے میں مدد دے، یہ سب باتیں متانت کے ساتھ مجھے سمجھائی گئیں، لہذا میں مجبور ہوا، ...... اور فوراً کام میں مصروف ہوگیا، اور بغیر آرام کیے رات دن مشغول رہ کر فلکی مشاہدات کا کام ختم کیا، [2]

ایسے صاحب ذوق بادشاہ کی نسبت یہ کہنا کہ اس کے عہد میں متعدد کتب خانے نہ ہوں گے غیر موزوں ہوگا، صدر جہاں (یعنی قاضی القضاۃ) کے محکمہ میں جہاں سے تمام دینی اور دنیاوی معاملات

[1] سفرنامہ ص ۸۰ وطن لاہور [2] سفرنامہ ترکی امیر البحر (مرآۃ الممالک) اردو ص ۴۳ لاہور

کے فتوے جاری ہوتے تھے، کسی کتب خانہ کا نہ ہونا عقل سے بعید ہے، پھر شاہی کتب خانہ جو ہر بادشاہ کے عہد میں رہا ہے، دہلی میں موجود ہوگا، اس کے علاوہ بابر کا ذاتی کتب خانہ بھی اس کے مرنے کے بعد ہمایوں کے قبضہ میں آیا، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ بابر کی طرح ہمایوں کے پاس بھی ذاتی کتبخانہ موجود تھا، چنانچہ اس کی موت بھی اسی کتبخانہ کی چھت سے اترتے وقت ہوئی، طبقات اکبری میں ہے:۔

عجیب باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ۷ ربیع الاول کو غروب آفتاب کے وقت جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کتب خانہ کی چھت پر گئے، اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اترنے لگے، جب دوسری سیڑھی پر پہنچے تو موذن نے اذان دی، کمال ادب سے بیٹھ گئے، پھر جب اٹھنے لگے تو پیر پھسل گیا، اور زینہ سے زمین پر آگئے، [1]

اس کتب خانہ کی نسبت "ذاتی کتب خانہ" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ راقم الحروف نے اس کتب خانہ کی عمارت خود دیکھی ہے، جو قدیم قلعہ کے اندر محکمہ آثار قدیمہ کی بدولت اب تک موجود ہے، خود قلعہ پرانی دلی سے فاصلہ پر ہے، اور غالباً اس زمانہ میں اس کی آبادی قلعہ تک ہوگی، قلعہ کے اندر جو عمارتیں ہوتی ہیں ان کا تعلق عوام سے نہیں ہوتا، بلکہ بادشاہ یا محکمۂ جنگ سے ہوتا ہے، اس لیے اس کتب خانہ کی عمارت کا قلعہ کے اندر ہونا ہی اس کا ثبوت ہے کہ یہ بادشاہ کا ذاتی کتب خانہ تھا، یہ عمارت دراصل شیر شاہ کی بنوائی ہوئی ہے، اب اس کا نام شیر منڈل ہے، عمارت میں سنگ سرخ زیادہ استعمال کیا گیا ہے، وسط میں ایک کمرہ ہے، اور اس کے گرد غلام گردش، عمارت کے اوپر ایک برج ہے، شیر شاہ نے محض تفریح کے لیے یہ بلند مقام بنوایا تھا، اس لیے اس کا اصلی نام "شیر گاہ" ہے، سید علی ترکی نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ "ہمایوں شیر گاہ کی سیڑھی سے گر کر مر گیا"، [2] ہمایوں نے جب ہندوستان پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس کو اپنا کتب خانہ بنایا، وہ کبھی کبھی علم ہیئت کے تجربات

[1] طبقات اکبری ص ۱۴۱، کلکتہ [2] سفرنامہ سید علی ص ۴۳ لاہور

ہمیں کیا کرتا تھا، اس کتب خانہ کا ناظم نظام نامی شخص تھا جس کی شہرت باز بہادر کے نام سے زیادہ تھی،

سوری خاندان میں صرف شیر شاہ اور سلیم شاہ ایسے بادشاہ گذرے ہیں جو علم اور اہل علم کے قدر دان تھے، ان کو فتوحات اور خانہ جنگی سے اتنی فرصت نہ ملی کہ اس طرف زیادہ توجہ کرتے، پھر بھی جس قدر موقع مل سکا رفاہ عام کے کام بھی انجام دیے،

تاریخ میں صاف طور سے تو کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی کتب خانہ قائم کیا گیا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کا عہد اس سے خالی رہا ہوگا، بلکہ جہاں جہاں مدرسے جامع مسجدیں، اور خانقاہیں تھیں ان کے ساتھ کتب خانہ کا ہونا لازمی تھا، یہی حال محکمۂ قضاء کا تھا،

اکبر کا کتب خانہ

ہمایوں کے بعد اکبر تخت نشین ہوا، اکبر ان خوش نصیب بادشاہوں میں سے ہے جس کے عہد میں بڑی علمی ترقی ہوئی، اس کا دربار بڑے بڑے علماء، ادباء، حکماء، شعراء، اور ہر فن کے اصحاب کمال کا مرکز تھا، اس کے دربار کے نو رتن کی شہرت آج تک ہے،

اکبر اگرچہ معمولی لکھا پڑھا تھا، لیکن علمی ذوق میں وہ اپنے اسلاف سے کسی طرح کم نہ تھا، اس نے محکمۂ تراجم بھی قائم کیا تھا، جس کے ذریعہ سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ ہوا، اور مستقل تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہوا، جس میں تاریخ کے علاوہ تقریباً ہر فن پر کتابیں لکھی گئیں،

اکبر خود بھی کتابوں کا بڑا شائق تھا، اس کو جب کوئی نئی کتاب مل جاتی تو اس کو ضرور کتاب دار سے منگوا کر سنتا، اور ایک رات میں جہاں تک سنتا وہاں نشان لگا دیتا، دوسرے دن پھر اسی جگہ سے شروع کراتا، یہاں تک کہ کتاب ختم ہو جاتی،[۱]

اس کے پاس ایک بڑا عظیم الشان کتب خانہ تھا، اپنے بزرگوں سے ورثہ میں جو کتب خانہ پایا تھا اس کے علاوہ گجرات، جونپور، بہار، کشمیر، بنگالہ اور دکن کی فتوحات میں یہاں کے کتبخانوں

---

[۱] اکبرنامہ جلد اول ص ۴۴۴، نول کشور

سے جو کتابیں اس کو دستیاب ہوئیں ان کی بڑی تعداد اس نے اپنے کتب خانہ میں داخل کی، اس طرح اس کا کتب خانہ نوادر کتابوں کا بیش بہا خزانہ بن گیا، اسی میں نصیر الدین ہمایوں شاہ کا فارسی دیوان بھی تھا، جس کی چند رباعیاں ابو الفضل نے اکبرنامہ میں نقل کی ہیں،[۱] قلعہ آگرہ میں مثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ تھا، وہی شاہی کتب خانہ تھا، کیونکہ موجودہ مثمن برج شاہجہاں کا بنوایا ہوا ہے، نظر بندی کے زمانہ میں وہ اسی جگہ رہتا تھا،[۲]

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ اس عہد میں بادشاہ کی قدر دانی سے علم و فن کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، دربار میں بکثرت علماء و ماہرین فن جمع ہو گئے تھے، اور جنکی رسائی دربار شاہی تک نہ ہو سکی وہ ان امراء دولت سے وابستہ ہو گئے جو علم و فن کے قدر دان اور مربی تھے، ابو الفضل، فیضی، مولانا فتح اللہ شیرازی، حکیم ابو علی گیلانی، حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم ہمام عبد الرحیم خان خاناں، مولانا عبد الحق محدث دہلوی ملا عبد القادر بدایونی، ملا مبارک نظام الدین بخشی، ان میں سے ہر شخص خود ماہر علوم و فنون، صاحب ذوق اور علم کا قدر دان تھا، ہر شخص کے پاس اپنا ذاتی کتب خانہ موجود تھا،

کتب خانۂ خان خاناں

خان خاناں مرزا عبد الرحیم بن بیرم خان، ممکن ہے علمی قابلیت میں اپنے ہم عصروں سے کم رہا ہو، لیکن علم کی قدر دانی میں ان سے بہت آگے تھا، اس کا کتب خانہ شروع میں احمد آباد میں تھا، جبکہ وہ وہاں کا حاکم تھا، یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا، کتابوں کی مرمت اصلاح اور حفاظت کے لیے بہت سے ملازمین مقرر تھے، کاتب، جلد ساز، وراق، صحاف، نقاش اکثر وہ ہوتے جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، مولانا ابراہیم نقاش اسی کتب خانہ میں ملازم تھے، یہ خوشنویس، طلاکار، صحاف اور حکاک بھی تھے، علمی استعداد بھی ان کی اچھی تھی،

---

[۱] اکبرنامہ ج ۱ ص ۳۴۲، [۲] تاریخ آگرہ ص ۵، مطبوعہ آگرہ،

طبع موزوں بھی رکھتے تھے،

ان کی نسبت مآثر رحیمی میں ہے کہ

وہ ایک مدت تک اس کتاب خانہ میں کتاب داری کے عہدہ پر ممتاز رہے، انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی چیزیں، تصویریں، اور طلاکاری کے نمونے بکثرت ہیں،[1]

اس کے بعد غالباً انھیں کی جگہ، مشفق نقاش کا تقرر ہوا، جو فن نقاشی میں یکتائے روزگار تھا،

خوشنویس بہبود مرزا مشہور خوشنویس تھا، جو میر علی خوشنویس کا بھائی تھا، نقاشی اور خوشنویسی میں اسکو کمال حاصل تھا، خانخانان کے کتب خانہ میں اسی کام پر ملازم تھا،

شجاع شیرازی، اس کو خط ثلث اور نسخ میں بڑی مہارت تھی، ۹۹۹ھ میں اس نے مقام ٹھٹھہ میں شرف ملازمت حاصل کیا، پھر کچھ دنوں کے بعد کتب خانہ کی خدمت اسکے سپرد ہوئی،

ملا عبد الرحیم ہروی، ان کا خطاب "عنبریں قلم" تھا، خط نسخ اور نستعلیق میں ان کو کمال حاصل تھا، محمد حسین کشمیری (خوشنویس) کے سوا کوئی ان کا حریف نہ تھا، اس کتب خانہ کی اکثر کتابیں اسی کے قلم کی مرہون منت ہیں،

مصور و شبیہ ساز میاں ندیم، میاں فہیم کے بھائی تھے، یہ دونوں آبو (گجرات) کے راجپوت راجہ کے لڑکے تھے، خانخانان نے ان کی تربیت اپنے بچوں کی طرح کی تھی، فن مصوری میں اس زمانہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا، اسی کتب خانہ سے ان کا تعلق تھا،

مادھو، فن مصوری کے علاوہ شبیہ سازی میں بے مثل تھا، اس کتب خانہ کی اکثر کتابوں کی تصویریں اسی کی بنائی ہوئی ہیں،

جلد ساز محمد امین خراسانی، ایک مشہور جلد ساز اور رنگ طلائی کا ماہر تھا، اس نے مشہد کے کتبخانہ

---

[1] مآثر رحیمی ص ۱۰۸۶، ج ۲ مطبوعہ کلکتہ،

میں بہت دنوں تک کام کیا تھا، چار سو روپے ماہانہ اس کی تنخواہ تھی، اسی کتب خانہ میں ملازم تھا، یہ محمد امین خراسانی وہی ہے جس نے ابری کاغذ کی ایجاد سے شہرت دوام حاصل کی،

ملا محمد حسین جلد ساز اپنے فن میں ماہر تھے، مصوری کا کام بھی خوب جانتے تھے، ۳۵ سال تک اس کتب خانہ میں ملازم رہے، کتب خانہ میں سب سے زیادہ معتمد یہی تھے،

داروغۂ کتب خانہ شیخ برہمی، بہرائچ کے باشندے اور ہندی (بھاکھا) زبان کے بڑے اچھے شاعر تھے، اسی کتب خانہ سے ان کا تعلق تھا، جب وہ حج کو جانے لگے تو اپنے لڑکے شیخ عبد السلام کو داروغہ بنا گئے، جس نے خانخانان کے زیر تربیت رفتہ رفتہ بڑی اعلیٰ لیاقت حاصل کر لی،

مترجم ملا محمد علی کشمیری، عربی اور فارسی میں بڑے صاحب استعداد تھے، ان کو ترجمہ کرنے میں خاص مہارت تھی، ۱۰۲۵ھ میں خواجہ صائن الدین کی ایک عربی کتاب کا فارسی میں ترجمہ انہی نے کیا تھا،

مصحح مولانا صوفی ایک متبحر عالم تھے، غالباً یہ تصحیح کا کام کرتے تھے، ملا شکیبی بھی اسی کتب خانہ سے وابستہ تھے، لیکن ان کے ذمہ کیا کام تھا، اسکی تصریح نہیں ملتی، شاید تصحیح کے بعد مقابلہ کا کام انجام دیتے تھے،

جدول ساز ملا محمد امین جلد ساز اپنے فن کے کامل تھے، انہی کے ساتھ محمد حسین کامی، بقائی اور غنی ہمدانی بھی اس کتب خانہ میں کام کرتے تھے،

ناظم میر باقی اس کتب خانہ کے افسر اعلیٰ، بڑے صاحب علم و استعداد تھے، ترکستان کے باشندے، اور خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے، اس کتب خانہ کے عملے کی کل تعداد ۹۵ تھی، اسی سے اس کی عظمت معلوم کر سکتے ہیں،

خصوصیات اس کتب خانہ میں خاص بات یہ تھی کہ اس عہد کے اکثر مصنفین کی تصنیفیں خود انکے ہاتھ کی لکھی موجود تھیں، بعض مصنفوں نے خود ہی اپنی تصانیف پیش کی تھیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) دیوان نظیری نیشاپوری، جس نے ۱۰۲۲ھ میں آگرہ کی ملاقات میں دیوان نذر گزرانا،

(۲) خواجہ حسین ثنائی خراسانی کے کلام کا مسودہ جو ملا عبدالرحیم خوشنویس کا لکھا ہوا تھا، خاص کتب خانہ کے لیے بھیجا،

(۳) محتشم کاشی کی مثنوی، جو امیر معزالدین محمد کاشی خوشنویس کی لکھی ہوئی تھی، اور جس کی نقل میں ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوا تھا، اس کتب خانہ میں موجود تھی،

(۴) مشہور شاعر عرفی شیرازی کے دیوان کا مسودہ اسی کتب خانہ میں موجود تھا جس سے اس کے موجودہ دیوان کو مرتب کیا گیا،

(۵) ملا نورالدین ظہوری کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اشعار بھی اس کتبخانہ کی زینت تھے،

(۶) محمد رضا نوعی نیشاپوری متوفی ۱۰۱۲ھ ایک بلند پایہ شاعر تھا، اس کے خود نوشتہ قصائد اس کتب خانہ میں موجود تھے،

(۷، ۸) ساوجی صرفی، اور ملا شکیبی کے بھی خود نوشتہ قصائد کتب خانہ میں تھے،

خانخانان کے کتب خانہ کی بعض کتابیں اسوقت ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، ان میں سے ایک کتاب تصوف میں خواجہ عبداللہ انصاری کی ہے، اکس ۹۲۱ھ میں سلطان علی مشہدی نے لکھا، اور خانخانان نے اس کو ۱۰۲۳ھ میں جہانگیر کی نذر کیا، اس پر جہانگیر کے قلم سے اس کا نام مع سنہ تحریر ہے، پھر ۱۰۳۷ھ میں شاہجہاں کے کتب خانہ میں داخل ہوئی، شاہجہاں نے بھی اپنے قلم سے نام اور سنہ لکھا، آجکل یہ رامپور کے کتب خانہ میں ہے،

دوسری کتاب تصوف میں مجالس العشاق ہے جو امیر تیمور کے پوتے سلطان حسین کی تالیف ہے، اس میں ۵۲ ایرانی آرٹ کی تصویریں ہیں، ۹۹۵ھ میں داخل کتب خانہ ہوئی، ۱۲۶۳ھ میں فرخ آباد کے حاکم شجاع الملک سعادت مند خان کے قبضہ میں آئی، یہ بھی رامپور کے کتبخانہ میں موجود ہے،

ایک کتاب تعبیر رویا میں تھی جس میں قرآن پاک سے خواب کی تعبیر نکالنے کا طریقہ بتایا گیا ہے،

یہ کتاب اکبر نے ۲۴ سنہ جلوس میں خانخانان کو مرحمت کی، یہ کتاب کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے،

شش رسالہ سعدی، ۹۶۷ھ میں بمقام اودے پور اس کے ہاتھ لگا، پھر شاہجہاں کے کتبخانہ میں آیا، اس پر شاہجہان کی تحریر ہے، اس کے بعد عالمگیر کے کتب خانہ میں داخل ہوا، اب بانکی پور پٹنہ کے کتب خانہ میں ہے،

یوسف زلیخا ۹۳۰ھ میں میر علی نے ہرات میں لکھی، ۱۰۱۹ھ میں جہانگیر کو خانخانان نے تحفہ میں دی، جہانگیر نے اپنے قلم سے اس میں اس واقعہ کو لکھا ہے، اس کی قیمت ایک ہزار اشرفی تھی، یہ مصوری اور طلا کاری کا بہترین نمونہ ہے[1]، یہ بھی بانکی پور پٹنہ کے کتب خانہ میں اسوقت موجود ہے،

قرآن پاک"، طول (۱۱) انچ اور عرض (۷) انچ ہے، بین السطور ۱۲ ہیں، شنگرف سے نشانات رکوع، ربع، نصف، ثلث بنے ہیں، اور آیات کے نشانات لاجوردی نیلگوں سنہرے ہیں، شروع کے دو عنوان مرصع اور مزین ہیں، تمام سورتوں کے عنوان زرافشاں ہیں، کاتب کا نام نہیں ہے مگر نہایت پختہ نسخ میں ہے، یہ قرآن ۱۰۳۲ھ میں خانخانان کے پاس تھا، اس پر اس کی تحریر موجود ہے، پھر اللہ وردی کے کتب خانہ میں داخل ہوا، ۱۹۱۹ء سے رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے[2]۔

سلیمہ سلطانہ کا کتب خانہ — اسی عہد میں سلیمہ سلطانہ بیگم بھی تھیں، یہ ہمایوں کی بھانجی یعنی ان کی بہن گل رخ بیگم کی صاحبزادی ہیں، عالمہ اور شاعرہ تھیں، ۹۶۱ھ میں پیدا ہوئیں، ساٹھ برس کی عمر

---

[1] یوسف زلیخا قلمی مصور طلائی جدول پاکیزہ خط نسخ، چھوٹی تقطیع، کا شاہی نسخہ بنگال کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے، جو ۱۰۳۱ھ کا لکھا ہوا ہے، جو خاص کابل سے "تحفہ" لایا گیا ہے [2] یہ تمام حالات مولوی حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ کے ایک لکچر سے ماخوذ ہیں جو ۱۹۲۲ء میں مشرقی کانفرنس میں آپ نے دیا تھا (بحوالہ معارف جلد ۱۴)

پاکر ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی، جہانگیر نے بھی اپنی تزک میں ان کی قابلیت اور فضیلت کی تعریف کی ہے، ان کو کتب بینی کا بڑا شوق تھا، اور ان کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا[1]،

منعم خان کا کتب خانہ اکبر ہی کے زمانہ میں سپہ سالار منعم خان خانخاناں جونپور کا حاکم تھا، عمر رسیدہ، تجربہ کار اور علم کا قدردان تھا، اسی نے دریائے گومتی پر جونپور میں پل تیار کرایا تھا جو آج تک موجود ہے، اس کے پاس بھی ایک کتب خانہ تھا، وہ کتابوں کا بڑا شائق تھا، جہاں کہیں سے اس کو کتاب دستیاب ہو سکتی حاصل کرنے کی کوشش کرتا، احباب بھی اس کے اس شوق سے واقف تھے، جو کتاب نایاب سمجھتے، فوراً اس کے پاس روانہ کر دیتے، اور اس کے صلہ میں وہ گران قدر عطیے دیتا، جب وہ جونپور کا حاکم تھا تو اس کے ایک دوست بہادر خاں ازبک نے کلیات سعدی کا ایک نسخہ اس کو تحفۃً ارسال کیا تھا، اس کتاب کی پشت پر منعم خاں نے جو کتابی چہرہ تحریر کیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"این کلیات حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ را آن عزیز بہادر خان در بلدۂ پرسرور جونپور بدیں فقیر فرستادہ بود، پانصد روپیہ انعام شد، در تاریخ نہصد و ہفتاد و شش (۹۷۶ھ) عدد اوراق این کتاب سی صد و نود و چہار است، عدد ابیات و سطورش از متن و حاشیہ نوزدہ ہزار و ہفتصد، حاشیہ چہار ہزار و ہفت صد و بست و ہشت است، مشتمل بر دو وسمہ و دیباچہ مصور و چہار لوح شیرازی۔" العبد منعم بن بیرم غفر اللہ ذنوبہا و ستر عیوبہا[2]،

اسی طرح اس کے کتب خانہ کی ایک اور کتاب اس وقت تک خوش قسمتی سے محفوظ ہے، یہ مرزا کامران کا دیوان ہے، جو ایک عرصہ تک اس کے کتب خانہ کی زینت رہا، اس نے اپنے قلم سے اس پر جو عبارت لکھی تھی وہ یہ ہے:۔

"اللہ اکبر، دیوان مرزا کامران بخط خواجہ محمود اسحاق شہابی...... منعم خانخانان ۲۴ فرد... قیمت مہر"

[1] کیچر محقق آثار قدیمہ کلکتہ بحوالہ معارف ج ۲۱۔ [2] ایضاً

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اس نے خرید کر داخل کتب خانہ کی تھی[1]۔

نورجہاں کا کتب خانہ علوم و فنون کی قدردانی میں نور جہاں بیگم بھی اپنے مرد ہم عصروں میں کسی سے کم نہیں تھی، اس کے پاس بھی ایک ذاتی کتب خانہ تھا، اور وہ کتابیں خرید کر اس میں اضافہ کرتی رہتی تھی، چنانچہ مرزا کامراں کا دیوان اس نے تین مہر میں خرید کر داخل کتب خانہ کیا تھا، دیوان کے اول صفحہ پر یہ عبارت درج ہے[2]،

تین مہر قیمت اموال، نواب نور النساء بیگم،

اس سے معلوم ہوا کہ نورجہاں کے خطاب ملنے سے قبل یہ کتاب دستیاب ہوئی تھی، اور کتب بینی کا شوق شاہی محل میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس میں موجود تھا،

شیخ فرید کا کتب خانہ شیخ فرید بخاری جہانگیر کے ان امیروں میں سے ہے جس پر بادشاہ کی خاص نظر عنایت رہتی تھی، لاہور اور احمد آباد میں عرصہ تک ناظم (صوبہ دار) رہا تھا، غیر متعصب، فیاض اور صاحب علم تھا، اس کے پاس بھی ایک کتب خانہ ذاتی تھا، چنانچہ دیوان حسن دہلوی کا جو نسخہ اس نے اپنے کتبخانہ کے لیے خرید کیا تھا وہ آج بھی خدا بخش خان لائبریری میں موجود ہے[3]۔

فیضی کا کتب خانہ فیضی فیاضی ان لوگوں میں ہے جن کا علمی ذوق بہت بلند ہے، وہ اپنے یگانۂ روزگار باپ کا خلف الصدق تھا، اس نے اپنے کتب خانہ میں بڑی نایاب اور نادر کتابیں جمع کی تھیں، ان میں بڑی تعداد ایسی کتابوں کی تھی جو خود مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں، یا ان کے قریب زمانہ کی تھیں، اور بڑی محنت سے ان کی تصحیح کی گئی تھی،

ان کتابوں کی بڑی نفیس جلدیں تھیں، خود فیضی کی ایک سو ایک تصانیف اس میں تھیں، کتبخانہ کی کتابوں کی مجموعی تعداد چار ہزار چھ سو تھی، فیضی کے انتقال کے بعد یہ سب کتابیں شاہی کتب خانہ میں داخل

[1] دیوان کامران کا پہلا نسخہ کتب خانہ بانکی پور پٹنہ [2] ایضاً [3] اورینٹل لائبریری بانکی پور، پٹنہ کی فہرست ج اول ص ۲۴۲

کی گئیں، فنون کے لحاظ سے ادب، طب، نجوم، موسیقی، حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ، تفسیر، فقہ وحدیث کی کتابیں اس کتب خانہ میں تھیں،

جہانگیر کا کتب خانہ سلاطین مغلیہ میں شہنشاہ جہانگیر اپنی خوش مذاقی اور علمی ذوق کے لیے بہت مشہور ہے، اس کی تزک پڑھنے سے اس کے علمی ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے پاس شاہی کتب خانہ کے علاوہ اپنا ذاتی کتب خانہ بھی تھا، جو سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہتا تھا جس کا مہتمم مکتوب خاں تھا، چنانچہ جب وہ گجرات گیا ہے تو وہاں کے علمار کو اس نے اس کتب خانہ سے متعدد کتابیں تحفۃً دیں، جہانگیر لکھتا ہے:-

"۲ تاریخ سہ شنبہ کے دن گجرات کے مشائخ میرے پاس دوبارہ آئے، میں نے پھر ان کو خلعت، زادراہ اور اخی دیکر رخصت کیا، اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے خاص کتب خانہ سے ایک ایک کتاب مثل تفسیر کشاف، تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب کے مرحمت کی اور ان سب کی پشت پر اپنی گجرات کی آمد اور عطیہ کی تاریخ تحریر کر دی،"[۲]

کتب خانہ کے داروغگی (مہتمم) کے عہدہ پر ۱۰۵۵ھ تک عبد الرحمٰن رشیدائی خوش نویس تھا، اسکے بعد میر صالح ولد عبد اللہ مشکیں رقم متوفی ۱۰۶۱ھ اس عہدہ پر مامور رہا،[۳] ۱۰۶۳ھ میں کتب خانہ کا داروغہ محمد شفیع تھا، جیسا کہ ایک کلام مجید کی مہر سے معلوم ہوتا ہے، جو اس وقت رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں موجود ہے،[۴]

ایک جرمن سیاح جو ۱۶۳۶ء میں سورت آیا تھا اور یہاں عرصہ تک قیام کر کے واپس گیا، اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ شاہجہاں کے کتب خانہ میں ۲۴ ہزار کتابیں اعلیٰ قسم کی جلد بندھی ہوئی موجود تھیں،[۵] (باقی)

۱؎ منتخب التواریخ ج ۳ ص ۵۰۰، کلکتہ ۲؎ تزک جہانگیر ص ۲۱۸ علی گڑھ ۳؎ شاہجہاں نامہ ص ۵۰۵ ج دوم

۴؎ معارف ج ۱۴، ص ۲۲۴ ۵؎ سفرنامہ مرتبہ مین ڈلس بو ص ۱۱۸

علامہ شبلی بحیثیت فارسی شاعر کے

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب

"ہمارے محترم دوست جناب مرزا احسان احمد صاحب مدت کے بعد آج بزم معارف میں تشریف لائے ہیں، لیکن دیر آید درست آید کے مصداق اُن کا یہ مضمون، اُن کے پاکیزہ شعری و ادبی مذاق، ناقدانہ نظر اور ادبی لطافتوں کا مرقع ہے، اُمید ہے کہ اصحابِ ذوق بادۂ شیراز کے اس جام سے لطف اندوز ہوں گے" "م"

بیا و ریدگر اینجا بود سخندانے — غریبِ شہر سخنہاے گفتنی دارد

یہ وہ ذاتِ گرامی ہے جو جامعیتِ کمالات کے لحاظ سے نہ صرف ہندوستان، بلکہ تمام دنیاے اسلام کے لئے سرمایۂ فخر و ناز تھی،

واقعہ یہ ہے کہ قدرت نے علامہ مرحوم کو ایک غیر معمولی دماغ عطا کیا تھا، جس میں گوناگوں صلاحیتیں پنہاں تھیں، ان صلاحیتوں نے علم و فن کی جو گراں قدر اور مہتم بالشان خدمات انجام دی ہیں، اُن کے اعتراف میں کسی صاحبِ نظر کو تامل نہیں ہو سکتا، اور نہ اُن کی کوئی مثال موجودہ دور کے اربابِ فن کے علمی کارناموں میں نظر آسکتی ہے،

گو سیرۃ النبوی، الفاروق، الغزالی، الکلام، سیرۃ النعمان، سوانح مولانا روم کے مصنف کے لئے شاعری کوئی خاص نشانِ فخر نہیں ہے، تاہم علامہ مرحوم کی زبان سے جو ترانہ ہاے موزوں ادا ہوئے ہیں،

مشکل ہے کہ وہ من حیث الفن نظرانداز کر دیئے جائیں،

علامۂ مرحوم کا مذاق سخن بالکل فطری تھا، اس مین تصنع وتکلف کا قطعًا شائبہ نہ تھا، وہ شاعری اس لئے نہین کرتے تھے کہ کوئی مستقل دیوان مرتب کرین، قدرت نے اُن کو اس سے بلند تر کامون کیلئے پیدا کیا تھا، لیکن چونکہ فطرۃً شدید الاحساس تھے، اور طبیعت مین شاعرانہ رنگینی اور لطافت موجود تھی، اس لئے جب کوئی موثر واقعہ یا منظر سامنے آتا تھا، تو بے اختیار ان کا قلم گہر باری کرنے لگتا تھا، شاعر کی حقیقی شانِ کمال یہی ہے، کہ جو کچھ اس کی زبان سے ادا ہو اس سے خود اس کا دل بھی متاثر ہو، ورنہ محض لفظی بازیگری اور صناعی سے شعر مین کوئی تاثیر اور دلکشی پیدا نہین ہو سکتی، چنانچہ ایسی شاعری جو قلب و روح کے لئے کوئی سامانِ کیف و لذت پیش نہ کر سکتی ہو کیا چیز ہے، اس کو خود علامہ مرحوم ہی کی زبان سے سننا چاہئے، فرماتے ہین :-

شعر اگر دامنِ دل می نکشد بانگِ خر است نغمہ گر نیست دل آشوب بغوغا ماند

علامۂ مرحوم اگرچہ اردو کے اعلیٰ ترین انشا پرداز تھے، لیکن ابتدا مین اردو مین شعرگوئی کی طرف بہت کم توجہ تھی، البتہ اواخر عمر مین علامۂ مرحوم نے تاریخی، سیاسی، قومی اور اخلاقی نظمین لکھ کر اردو ادب مین جو گرانقدر اور عدیم المثال اضافہ کیا ہے وہ کسی بحث و اثبات کا محتاج نہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامۂ مرحوم کی شاعرانہ رنگینی، لطافت اور نازک خیالی کا اصلی تماشاگاہ اُن کی فارسی شاعری ہے، جو اپنی گوناگون خصوصیات کے لحاظ سے اہلِ زبان اساتذہ کے کلام کے مقابلہ مین نہایت فخر کے ساتھ پیش کی جا سکتی ہے، علامۂ مرحوم کو خود اپنی اس عظمت کا احساس تھا، چنانچہ ایک غزل کے مقطع مین فرماتے ہین :-

روشنم شد ز نوا سنجیِ شبلی کامروز

ہند را نیز قمی ہست و صفاہانی ہست

یہ صرف شاعرانہ تعلّی نہین ہے، بلکہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، جس کی تائید خود کلام سے ہوتی ہے، علامہ نے جس زبان مین اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا ہے، اس کی پاکیزگی اور لطافت کی داد کچھ اہلِ ایران ہی صحیح طور پر دے سکتے ہین، چنانچہ اہلِ ہند سے مایوس ہو کر کس حسرت سے فرماتے ہین،

شبلیا کیست کہ زو دادِ سخن می خواہی

گر نظیری نبود، شیخ حزین می باید

علامہ مرحوم کو انکسار بیجا کی عادت نہ تھی، غالبًا قافیہ کی رعایت سے شیخ حزین کا نام لے لیا ہو، ورنہ جہانتک کلام کا تعلق ہے، علامہ کا درجہ بہت بلند ہے، لیکن یہ موازنہ کرنے کا موقع نہین، اس وقت ہم علامہ کے کلام پر صرف ایک اجمالی نظر ڈالنا چاہتے ہین، جس سے اربابِ ذوق کو اندازہ ہو جائے گا کہ علامہ کے قندِ پارسی مین کس حد تک شیرینی اور لطافت کا عنصر موجود ہے، اور وہ اہلِ ایران کے کام و دہن کو کہان تک سیراب کر سکتا ہے،

علامہ مرحوم کا فارسی کلام پہلے متفرق طور پر دیوانِ شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، و برگِ گل کے نام سے شائع ہوا تھا، جن کو علامہ کی وفات کے بعد معارف پریس نے یکجا کر کے کلیاتِ شبلی کے نام کر شائع کیا ہے،

یہ کلیات، قصائد، غزلیات، مراثی اور دیگر مسلسل نظمون کا مجموعہ ہے، جس سے علامہ مرحوم کی قادر الکلامی کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے،

یون تو اس کلیات مین جو کچھ ہے اس کے محاسن سے کون انکار کر سکتا ہے ؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ علامہ مرحوم کی شاعرانہ رنگینی، زندہ دلی، جوش و مستی، نازک خیالی، اور شوخی و رعنائی کا دلفریب منظر کچھ غزلیات ہی مین نظر آتا ہے، جو اکثر بمبئی کی ولولہ انگیز آب و ہوا کی مرہونِ اثر ہین، ظاہر ہے کہ چوپاٹی اور اپالو کے دلکش مناظر ایک رنگین مزاج شاعر کے احساسات کو مشتعل کئے بغیر نہین رہ سکتے، چنانچہ علامۂ مرحوم کے دل و

دماغ پر بمبئی کے آشوب گاہ حسن و جمال نے جو اثر کیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی غزل سے ہو سکتا ہے،

نثار بمبئی کن ہر متاع کہنہ و نو را — طراز مسندِ جمشید و فرِ تاجِ خسرو را
بہر سو از ہجوم دلبرانِ شوخ و بے پروا — گذشتن از سرِ رہ مشکل افتد دست بر سر را
فغان از گرمیٔ ہنگامۂ خوبانِ زردشتی — بہم آمیختہ از زلف و عارض ظلمت و نور را
بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت — کنارِ آبِ چوپاٹی و گلگشتِ اپالو را

یہ خواجہ حافظ کے آب رکنا باد اور گلگشتِ مصلّے کا جواب ہے،

مقطع ملاحظہ ہو،

بیا شبلی بیاد پنجہ گیرائیِ فرنگانش — دگرہ پارہ سازم این قبائے زہد صد تو را

ایران کے غزل گو شعرا میں سے علامہ مرحوم خواجہ حافظ کے خاص طور پر مداح اور معتقد تھے، اور یہ ان کی صحتِ مذاق کی بہت بڑی دلیل تھی، ایک غزل میں اپنے جوشِ عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں،

گر خداوندی ہوس داری در اقلیمِ سخن
بندگیِ حافظِ شیراز می بایست کرد

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ خواجہ حافظ کی طرح علامہ مرحوم بھی فطرۃً نہایت شگفتہ مزاج، رنگین طبع اور بلند حوصلہ تھے، اور اپنے پہلو میں ایک زندہ اور بیدار دل رکھتے تھے جس کے احساسات میں بجز بلندی و رعنائی اور جوش و مسرت کے کسی قسم کی روحانی پستی یا ابتذال کا شائبہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ خواجہ صاحب کی طرح علامہ مرحوم کی غزلیات میں بھی یاس و حسرت اگر یہ وزاری وغیرہ کے ولولہ شکن جذبات کی آلایش نظر نہیں آتی بلکہ ہر قدم پر ایک زندہ اور کیف آشنا روح کی آتش فشانیاں محسوس ہوتی ہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے، کہ سرور و انبساط کی ایک موجِ گہر پاش اپنی

نظر فروز تابانیوں اور ولولہ انگیز رعنائیوں کے ساتھ رقص کرتی ہوئی چلی جارہی ہے، علامہ مرحوم نے کیا خوب اور کس قدر سچ کہا ہے،

بر جبین ندوے صفحہ کہ شبلی بہ سرخوشی — از ہم گسست سلکِ گہر ہائے راز را

ایک زندہ دل اور عالی دماغ شاعر ہی ارباب ذوق کو یہ دعوت دیسکتا ہے،

علامہ مرحوم علاوہ ایک شاعر غزلخوان ہونے کے فلسفی، حکیم، اور نقاد بھی تھے، اس لئے اُن کی نظر نازنگہان عقل و ہوش کی سحر آفرین اداؤن کے علاوہ اسرار و حقائق کی بھی جلوہ شناس تھی، چند مثالین ملاحظہ ہون،

عالم کائنات کی حقیقت کا انکشاف فلسفی کے بس کی چیز نہین، وہ ایک راز کھولتا ہے تو وہ بجائے خود ایک دوسرا مستقل راز بن جاتا ہے، اس سلسلۂ تحقیقات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ اصل حقیقت کی تہ تک پہونچنے سے عقل قاصر رہتی ہے، اور آخر مین اوس کو اپنی عاجزی اور درماندگی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے،

فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود
گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا میکرد

عشق و محبت کی راہ مین دودل ہونا سالک کے لئے بہت بڑا عیب ہے، یعنی انسان جس رنگ مین ہو، وہ پختہ اور کامل ہو، اور اس مین کسی اور رنگ کی آمیزش نہ ہو، کفر ہو یا ایمان، اگر یکرنگی نہین تو وہ ایک بے کیف عالم ہے،

دودل بودن درین رہ سخت تر عیبیست سالک را — خجل ہستم ز کفرِ خود کہ دارد بوے ایمان ہم

اس لطیف حقیقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ طلب صادق کا یہی تقاضا ہے، کہ قدم جس راہ مین اٹھ گیا ہے، اس کو چھوڑ کر کسی اور طرف رُخ نہ کرنا چاہئے، ذوق پرستش کا یہی کمال ہے کہ جبین نیاز نے جس کو اپنا معبود بنالیا، اس کے سوا کسی اور کی بندگی کی طرف مائل نہ ہونے پائے غرض دورنگی سے

قلب و روح میں کیف و انبساط اور محویت و استغراق کی وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی جس کے بغیر ادعائے عبادت بالکل بے سود ہے،

یہ وہ شعر ہے جس کی داد خاص طور پر مولانا حالی نے اپنے ایک خط میں علامہ مرحوم کو دی تھی، اور یہ لکھا تھا کہ

"خواجہ حافظ کے کلام کا وہ حصہ جو رندی و سرمستی پر مشتمل ہے، ممکن ہے کہ اس کے الفاظ میں دلربائی زیادہ ہو، لیکن جہاں تک جذبات کا تعلق ہے آپ کی غزلیں کہیں زیادہ گرم ہیں؛

اس اظہار خیال کے بعد مولانا نے شعر مذکورہ بالا نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ہر شخص اس کی داد نہیں دے سکتا اور نہ اس سے صحیح طور پر لطف اٹھا سکتا ہے،

علامہ مرحوم نے عشق و محبت کو جس نگاہ سے دیکھا وہ ایک بندۂ ہوس کی سطحی اور عامیانہ نگاہ نہ تھی بلکہ ایک صاحب ذوق کی بلند اور نکتہ سنج نظر تھی، جس کو ہر قسم کا جلوہ فریفتہ نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ علامہ نے اپنی اس بلند نگاہی کا اظہار خود اس شعر میں کر دیا ہے،

ہر جلوۂ مرا نتواند فریب داد — پروانۂ چراغ سر طور بودہ ایم

یہ محض شاعرانہ تعلی نہیں ہے، بلکہ اس کا ثبوت کافی طور پر خود کلام سے ملتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عشق و محبت ایک نہایت بلند اور نازک مقام ہے، جس کے ہمت آزما اور پر پیچ مراحل کو ہر شخص کامیابی کے ساتھ طے نہیں کر سکتا، اس کے لئے قلب و نگاہ کی مخصوص استعداد و صلاحیت درکار ہے، جو ظاہر پرستوں کا کام نہیں ہے،

در کار عشق دیدہ وری شرط بودہ است
ہر کس نظر کشود و تماشا بہار دید

یعنی یوں تو ہر شخص جمال محبوب پر نظر اٹھاتا ہے، لیکن اس کا حقیقی جلوہ صرف چشم بصیرت ہی کو نظر آسکتا ہے،

اسی خیال کو ایک دوسری جگہ اس سے لطیف تر طریقہ پر ادا کیا ہے، فرماتے ہیں:

چشم ہر آنچہ دیدہ نہ ہر دیدہ بنگرد — نظارۂ جمال تو عام است و عام نیست

غور کرو، کتنا صحیح اور لطیف خیال ہے، اور اس کو "عام است و عام نیست" کے ٹکڑے نے کس موثر انداز سے ادا کر دیا ہے! یعنی جمال محبوب کی مخصوص اداؤں کا نظارہ صرف اہل نظر کا کام ہے، اس لئے اس کو عام نہیں سمجھنا چاہئے، اگرچہ بظاہر عام معلوم ہوتا ہے، جلوہ گاہ کائنات پر اصحاب ظاہر کی بھی نگاہیں پڑتی ہیں، لیکن اس ظاہری آب و رنگ کی تہ میں محرمان حقیقت کو جمال ازل کی جو خوشنمائیاں نظر آتی ہیں، وہ ان بزرگوں کو کہاں نصیب ہو سکتی ہیں؟

محبوب کی نگاہ لطف و کرم سے لذت اندوز ہونا نہایت آسان ہے، اور یہ عشق کا کوئی کمال نہیں، ارباب ظاہر تو صرف اسی کے آرزومند رہتے ہیں، چشم عتاب آلود کی کرشمہ سازیوں کا تحمل اور ان سے ذوق و لذت حاصل کرنا ان کی استعداد سے باہر ہے، یہ صرف ایک طالب صادق کا کام ہے، اور عشق کے حقیقی کمال و عظمت کی شان یہی ہے، کہ جب محبوب کی برق ستم کی شرر افشانیوں کا سامنا ہو، تو اپنے ذوق و شوق کا دامن مستانہ وار پھیلا دے، اور آنکھوں سے درد و غم کے آنسو ٹپکنے کے بجائے، چہرے پر کیف و سرور کی ایک موج تبسم رقص کرتی ہوئی نظر آئے، ایک قابل دل پر محبوب کے خشم و عتاب کا کیا اثر ہوتا ہے، اس کی کیفیت علامہ مرحوم نے ان الفاظ میں پیش کی ہے،

ذوق ہا بردم ہم از چشم عتاب آلود او
آتشے بودست و من برخود گلستان کردہ ام

اگر عاشق میں اتنی بھی صلاحیت اور بلند حوصلگی نہیں ہے، تو وہ اور جو دعوی چاہے کرے، لیکن

کم از کم عشق کا دعویٰ اس کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہے، مجھکو عام غزل گو شعراء سے خاص شکایت یہی ہے، کہ اُن میں عشق و محبت کی اخلاقی و روحانی عظمت و بلندی کا احساس مطلق نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ جب محبوب کے جور و ستم کا ذکر کرتے ہیں، تو صدائے مرحبا نکلنے کے بجائے زبان نوحہ خوانی کرنے لگتی ہے، حالانکہ تشنگانِ ذوق کے لئے یہی جور و ستم تسکین و راحت کا بہت بڑا سرمایہ ہے، جس کی طرف علامہ مرحوم نے سہل پسندوں کو خاص طور پر توجہ دلائی ہے،

ہمین تنہا نگاہِ لطف را لذت شناس ستی ۔۔۔ بپرس از تشنہ کامانِ ستم ذوقِ عتابش را

اور بے صبروں اور خامکاروں کو یہ نصیحت کی ہے،

زنیشِ عشق ہنوز ار نمی بری ذوقے ۔۔۔ بباش تا قدرے آشنائے جان گردد

محبت انسان کے دل و دماغ کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیتی ہے،

محبت پایہ بالا بُرد دل را ۔۔۔ زمینے را بود و آسمان گرد

لیکن یہ کون سی محبت ہے؟ کیا یہ شاہدان لب بام کی محبت ہے، جو صرف جذباتِ ہوس کو مشتعل کر کے رہ جاتی ہے یا یہ وہ محبت ہے جس کے کشتگانِ ذوق کی خاک کی بلند پایگی کا سمان علامہ نے اس شعر میں دکھایا ہے،

بلند پایگی خاک کشتگان این ست ۔۔۔ کہ با نسیم رہِ دوست ہمعنان گردد

علامہ کی نکتہ سنج نگاہ جس ذوق محبت کی دلدادہ ہے وہ تمامتر ایثار و جانبازی کا مظہر ہے،

محبت را بود ہر شیوۂ آئینے ز جانبازی
بمژگان اشکِ خونِ منصور بر دار است پنداری

تشبیہ کی لطافت و ندرت بھی خاص لحاظ کے قابل ہے،

حقیقی محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی تیغِ جفا سو بار بھی اُٹھے تو سرِ نیاز کو جھکنے میں تامل نہ ہو،

من نہ آنم کہ سر از تیغ جفا بر دارم ۔۔۔ گرچہ صد مرتبہ چون شمع مرا سر زدہ

ایک مخلص اور وفا پرست عاشق کی شان عقیدت یہی ہے،

اہلِ ہوس کا مقصد صرف ذوق نظر سے لطف اٹھانا ہے، اور اسی کو وہ اپنے مذاق عاشقی کی معراج سمجھتے ہیں، حالانکہ محبت کی حقیقی لذت دل کی اندرونی کاوش ہی میں پوشیدہ ہے جس کو محسوس کرنے کے لئے وجدان سلیم کی ضرورت ہے، اس لئے علامہ کو افسوس ہے کہ آنکھ کو دل نہیں بنایا جا سکتا،

ذوقِ نظر بہ لذتِ کاوش نمی رسد ۔۔۔ داغم ازینکہ دل نتوان کرد دیدہ را

اس شعر میں جو جذبہ ادا کیا گیا ہے، اس کی نزاکت اور بلندی پر صرف انہی اربابِ ذوق کی زبان سے صدائے آفرین بلند ہو سکتی ہے، جن کے حمیتانِ قلب و روح کے لئے برقِ ستم کی شرر افشانیاں کوثر و تسنیم کی تر دستیوں کا کام دیتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ شبستانِ عیش و نشاط کی جلوہ آرائیاں کتنی ہی مسرت آفرین اور نظر افروز ہوں لیکن جس چیز کا نام زندگی اور حقیقی زندگی ہے، اس کے ولولوں کو صرف نشترِ غم ہی کی خلش بیدار کر سکتی ہے، اور اس کی روحانی استعداد و صلاحیت کے نشو و نما کا سامان صرف آلام و مصائب ہی کے آشوب گاہ میں نظر آ سکتا ہے، اس لئے راز آشنا طبیعتیں محبوب کے جور و ستم کی کبھی گلہ مند نہیں ہوتیں، بلکہ اُن کے کام و دہن کو ہمیشہ اسی جرعۂ تلخ کی آرزو رہتی ہے، کہ بغیر اس کے وہ کیفِ سرمدی، وہ سرورِ مستقل، جو عشق کا اصلی مقصود ہے نصیب نہیں ہو سکتا،

رقیب پر محبوب کے ظاہری لطف و عنایت کی نگاہیں پڑ رہی ہیں، عاشق کو بظاہر رنجیدہ ہونا چاہیے لیکن وہ خوش ہے کہ یہ غریب محبوب کی نوازشہائے پنہان کی اداؤں سے بے خبر ہے،

بلطفِ ظاہرش دشمن بخود نازان و من شادم ۔۔۔ کہ مسکین ذوق نشناسد نوازشہائے پنہان را

بالکل سچ ہے غریب کو خبر ہو تو کیونکر ہو، اس میں اتنا حوصلہ کہاں کہ محبوب کے قہر و ستم کا ناز اٹھا سکے، اور اتنی بصیرت و نکتہ سنجی کہاں کہ اس قہر و ستم میں لطف خاص کی جو لطیف و نازک ادائیں پنہاں ہیں

اُن کو سمجھ سکے، اور اُن سے لذت اندوز ہو سکے،

علامہ کو اس کا شکوہ نہین، کہ اُن کا محبوب دوسرون کے ساتھ مہربانی سے پیش آرہا ہے، اور وہ خود موردِ عتاب ہین، کیونکہ اُن کو معلوم ہے کہ محبوب کوئی بازاری فتنہ گر نہین ہے، جس کو نیک و بد اور اہل و نا اہل کی تمیز نہین ہوتی، بلکہ ہر شخص کی استعداد کا اندازہ شناس ہے، ظاہر ہے کہ قہر و عتاب کا تحمل تو بلند حوصلہ عشاق ہی کر سکتے ہین، یہ کم نظر بندگان ہوس کی طاقت سے باہر ہے، اس لئے موردِ عتاب ہونا دراصل عاشق کی عالی ہمتی کی بہت بڑی سند ہے، جو بارگاہِ حسن سے صرف خاصانِ محبت کو عطا ہوتی ہے،

اندازہ دان حوصلۂ ہر کسے ست دوست
با دیگران بہ لطف و بہ ما در عتاب بود

بزمگاہِ دہر مین صد ہا افسانون کی صدائین اٹھین، اور خاموش ہو گئین، ہزارون بار نظام عالم درہم برہم ہو گیا، لاکھون مرتبہ انسان کے قصرِ حیات کی بنیادین موجِ حوادث کی زد سے ہل کر رہ گئین، خیالات و افکار مین ہمیشہ انقلاب و تغیر ہوتا رہا، غرض اس فریب گاہِ رنگ و بو کا کوئی منظر کبھی ایک حالت پر قائم نہین رہا، لیکن عشق ہی کا ایک ایسا افسانہ ہے جو باوجود اعادۂ پیہم کے اب تک بے کیف نہ ہو سکا، یہی وہ چمن ہے جس کی بہار ہمیشہ خزان سے ناآشنا رہی، یہی وہ آتشکدہ ہے جس کے شعلہ ہائے عالم فروز کی حرارت و تابانی کبھی کم نہ ہو سکی، یہی سازِ فطرت کا وہ نغمۂ جان نواز ہے، جس کے ذوق و لذت سے روحِ انسانی کبھی آسودہ نہین ہوئی، اور نہ آیندہ ہو سکتی ہے، اس لئے حیرت و استعجاب کے عالم مین علامہ کا یہ کہنا،

ہرگز حدیثِ شوق بپایان نیامدست
یارب کدام جا سرِ این رشتہ بند بود

بالکل بجا اور درست ہے، لیکن یہ پُر کیف داستان ختم ہو، تو کیونکر ہو، عشق و محبت انسان کی فطرت کا ازلی خاصہ ہے، اس لئے جب تک اس کا وجود قائم ہے، یہ نغمہ ہمیشہ اس کی زبان سے ادا ہوتا رہے گا، اور اس کی تازگی و دلاویزی مین کوئی کمی نہ آنے پائے گی،

علامہ کے عشق کا تخیل ایک رسوائے سربازار کا سطحی اور عامیانہ تخیل نہین ہے جس مین بلندی، اور ابناد و شرافت کی کوئی شان نہین، بلکہ اُن کی نگاہون کے سامنے وہ عشق بلند حوصلہ ہے جس کے اسرارِ نہانی کی تعلیم گاہ محراب و منبر نہین، بلکہ دار و رسن کا وہ مقدس مقام ہے، جہان سے شہیدانِ محبت کی حقیقی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے،

منبر و محراب درسِ عشق را شایستہ نیست
شرح اسرار نہان بر داری بایست کرد

یہ اسی ذوق محبت کی داستان ہے، کہ سو بار دہرانے پر بھی مکرر نہین ہوتی، یعنی جب کبھی کوئی مطربِ رنگین نوا اس سازِ آتشین کے پردون کو چھیڑ دیتا ہے، تو ہر مرتبہ قلب و روح کو ایک نئی لذت محسوس ہوتی ہے،

ذوقِ حدیثِ عشق توان دید کاین سخن
صد بار گفتہ ایم و مکرر نگشتہ است

"مکرر نگشتہ است" کے ٹکڑے نے غور کرو شاعر کے ذہن مین جو خیال تھا اس کو کس خوبی سے ادا کر دیا ہے!

خلوت سرائے راز مین عاشق و معشوق کے درمیان جو ماجرا گذرتا ہے اس کی نزاکت شرح و بیان کی متحمل نہین ہو سکتی، اور علامہ تو اس کو اپنے سے بھی پوشیدہ رکھنا چاہتے ہین، یہ لطافت مذاق کی انتہا ہے،

نہ ہمین دل کہ ہم از خویش نہان داشتہ ام
ماجرائے کہ میانِ من و آن یار گذشت

آسمان اور معشوق دونون کو شعرا نے ستمگر قرار دیا ہے، لیکن دونون کے جور و ستم مین بہت بڑا فرق ہے جس کی شناخت کا طریقہ علامہ کے نزدیک یہ ہے،

از لذتِ ادائے ستم می توان شناخت
کاین جور از تو بودہ و از آسمان نبود

یعنی جس ستم مین لذت محسوس ہوتی ہو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محبوب کا کرشمہ ہے، لیکن اس لذت کو محسوس کرنے کے لئے خاص استعداد کی ضرورت ہے، یہ اسی احساس کا فقدان ہے جس نے عالم غزل گوئی کو بالکل بے کیف بنا دیا ہے، نالہ و شیون گریہ و زاری وغیرہ کے مضامین جو عام طور پر غزل مین داخل

ہوگئے ہیں، اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ عام طبیعتیں محبوب کی ادائے قہر وستم کی لذت شناس نہیں ہوتیں، ان کو تو صرف اس سے غرض ہے کہ کوئی پیکرِ ناز وادا ان کے کنارِ شوق کو ہر وقت گرماتا رہے، اُن کو علامہ کا یہ نازک احساسِ محبت نصیب نہیں ہوسکتا،

یا جگر کاوی آن نشترِ مژگان کم شد — یا کہ خود زخم مرا لذتِ آزار نماند

اہلِ ہوس کو حیرت ہوگی کہ آزار میں لذت کیسی اور زخم کو نشتر سے کیا تعلق؟ اس کے لئے تو مرہم اور چارہ گر کی ضرورت ہے، لیکن ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ تیرِ ہوس کا زخم نہیں ہے، بلکہ حقیقی محبت کا زخم ہے، جس کو صرف نشترِ مژگان ہی کی جگر کاوی میں تسکین وراحت محسوس ہوسکتی ہے، افسوس ہے کہ عام غزل گو شعراء کی نگاہ اب تک احساسِ محبت کے اس مقامِ بلند سے ناآشنا ہے، یہی وجہ ہے، کہ اُن کو اپنے زخمہائے دل کے لئے ہمیشہ مرہم اور چارہ گر کی تلاش رہتی ہے، حالانکہ جذبۂ محبت کی اس سے زیادہ اور کوئی توہین نہیں ہوسکتی، محبوب کی تیغِ ستم کا زخم کوئی مرض نہیں ہے، کہ جس کا علاج کیا جائے، بلکہ وہ خود قلب وروح کے امراض کا علاج ہے، پھر جو چیز خود علاج ہے، اس کے علاج کی تدبیریں سوچنا اگر ابلہی اور دیوانہ پن نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

شعر مذکورۂ بالا میں جو احساسِ محبت ظاہر کیا گیا ہے، اس کی لذت سے ابھی قلم سیر نہیں ہوا تھا، کہ علامہ کی لطافتِ احساس کا ایک دوسرا منظر سامنے آگیا، جس سے صرف اربابِ حال ہی لطف اندوز ہوسکتے ہیں، ملاحظہ ہو،

لطف نہ کردہ و گرانبارِ منتیم — نازم تو می خریم متاعِ نبودہ را

محبوب کا کوئی عنایت نہ کرنا اور پھر بھی عاشق کا گرانبارِ منت رہنا بظاہر تعجب انگیز ہے، لیکن دراصل حیرت واستعجاب کی کوئی وجہ نہیں، محبت میں دردمند قلوب پر اس قسم کی نازک اور بلند کیفیتیں اکثر طاری ہوتی ہیں، اور غور کرو تو غایتِ محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بغیر کسی لطف وعنایت کے عاشق کے سرِ منت ہو،

بے شکر وسپاس کی صدا بلند ہوتی ہے، ممکن ہو کہ عنایت نہ کرنا ہی محبوب کی کوئی پُر اسرار ادائے لطف ہو! ناانصافی ہوگی، اگر متاعِ نبودہ کی لطافتِ ترکیب کی داد نہ دی جائے، غور کرو، اس ایک ترکیب نے خیال کو صحیح اور موثر طریقہ پر ادا کرنے میں کس حد تک مدد کی ہے! موزون اور موثر الفاظ کا انتخاب بھی ایک کامل الفن شاعر کے لئے ضروری ہے ورنہ شعر ایک نغمۂ بے آہنگ ہو کر رہ جائے گا،

مذکورۂ بالا مثالوں سے تم کو علامہ مرحوم کے احساسِ محبت کی بلندی، نزاکت، پاکیزگی، اور حقیقت شناسی کا کافی طور پر اندازہ ہو گیا ہوگا، اور اب غالباً علامہ کے اس قول سے تم کو اختلاف نہ ہو،

شبلی سخن اگرچہ ز دراہ فسانہ بود — نکتے ز راز نیز بیان کردہ ایم ما

اب دیکھنا یہ ہے کہ علامہ کی چشم ونگاہ کا جو محبوب ہے، اس کی اداؤں کا کیا عالم ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک حقیقت آشنا اور لطیف المذاق عاشق اپنے ذوقِ محبت کی متاعِ گران ارز کو فتنہ گرانِ لبِ بام کی عامیانہ اداؤں کی نذر نہیں کر سکتا، اس کا محبوب وہی ہوگا، جس کی ادائیں قلب ونظر کے لطیف اندرونی احساسات کو شگفتہ اور مشتعل کرسکتی ہوں،

سب سے پہلے اُس کے حسنِ جمال کا عالم ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں،

پیکر آرائے ازل طلعتِ زیبائے ترا — نقش می بست و ہم از ذوقِ تماشا میکرد

اپنے محبوب کے نظارۂ جمال سے قلب ونظر کو انبساط وسرور کی جو دولتِ سرمدی حاصل ہوسکتی ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں،

اس کے نقشِ قدم کی پاکیزگی کا یہ حال ہے کہ جو خاک اس کے اثر سے فیضیاب ہوتی ہے وُہ بجز سجدۂ نیاز کے اور کوئی نذر قبول نہیں کرتی،

جز سجدہ متاعِ دگر از کس نپذیرفت — خاکے کہ ز نقشِ قدمِ او اثرے داشت

اس کا جلوۂ جمال وہ فتنہ ہے جو سبحہ وزنار، کفر وایمان کی تمام ہنگامہ آرائیوں کو درہم برہم کر دیتا ہے،

اور اصل حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجاتی ہے،

فتنۂ حسن تو از بسکہ جہان برہم زد در میان تفرقۂ سبحہ و زنار نماند

اس کی خاک در وہ صیقل ہے جس سے چشم و نگاہ کا آئینہ چمک اٹھتا ہے،

چہ عجب جلوہ گہ دوست شود دیدۂ من کہ ز خاک در ش این آئینہ پرداز گرفت

اس کی زلف دراز کا سایہ سکون و قرار کی وہ جگہ ہے، جہان سودازدگان محبت کا تمام ذوق

تگ و دو ختم ہو جاتا ہے،

وحشی دلم بہ سایۂ زلف درازِ او آسود آنچنان کہ دگر ہیچ رم نہ داشت

ظاہر ہے کہ حقیقی سکون سے ہمکنار ہونے کے بعد ذوق رم کیونکر باقی رہ سکتا ہے! لیکن یہ سکون

مستقل صرف انہی وحشیون کو نصیب ہو سکتا ہے، جن کے قلوب محبت کے جذبۂ خالص سے بیتاب ہین،

وہ کوئی بے شعور اور بد مذاق شاہد بازاری نہین، کہ ستم کرنے پر آیا تو ستم ہی کرتا چلا جاتا ہے، اور

کبھی عنایت کی طرف مائل ہوا تو ادائے ستم بھول گئی، بلکہ وہ ہر چیز کا اندازہ شناس ہے، چنانچہ جور و ستم

کے جام تلخ میں وہ لطف و کرم کی کچھ شیرینی بھی شامل کر دیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ پر کیف معتدل نسخہ

بیماران محبت کے لئے کس قدر تسلی بخش ہوگا،

چیزے ز لطف نیز بجائے محنت در ستم تا اعتدال داد مئے تند ناز را

شرم و غیرت کا یہ عالم ہے کہ خلوت سرائے وصال مین بھی عاشق اپنے مقصد مین ناکام رہتا ہے،

در وصالم نیز کام دل از و حاصل نہ شد بسکہ شرم خویش را بر خود نگہبان کردہ بود

لیکن علامہ کو اس ناکامی پر افسوس نہ کرنا چاہئے، ذوق محبت کی شرافت کا یہی تقاضا تھا ورنہ

بوالہوس ایسے موقع پر محبوب کی شرم و غیرت کا کیا احترام کر سکتا تھا!

اس کا خندۂ شیرین باوجود لطافت کے عاشق کے دل سے درد و غم کا بار گران اٹھا دیتا ہے،

باآن لطافتے کہ شکر خندۂ تو داشت بار غمے کہ بر دل ما بود برگرفت

لیکن واقعہ یہ ہے کہ غمزۂ نہان کی ستم طرازیون کے ذوق شناس کو شکر خندۂ لطف و عنایت

سے تسلی نہین ہو سکتی،

بہ شکر خندۂ لطف تو تسلی نشوم منکہ خو کردۂ آن غمزۂ پنہان باشم

زلف مشکین کی خوشبو سے عشاق عام طور پر صرف دل و دماغ کو معطر کر کے رہ جاتے ہین، لیکن

علامہ کے جیب و آغوش پر اس کا یہ اثر ہوتا ہے

سنبلستان می دمد از جیب آغوشم ہنوز زلف مشکین در برم روزے پریشان کردہ بود

زلف مشکین کی فیض بخشیون سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن علامہ کے جیب و آغوش کی یہ قابلیت بھی

کچھ کم حیرت انگیز نہین ہے،

اس کی نگاہ ناز کی ہر جنبش ایک راز ہے جس کو صرف نکتہ دان عشق ہی سمجھ سکتا ہے، اس لئے علامہ

کو یہ گوارا نہین، کہ یہ نگہ ہائے راز غیرون پر ضائع کی جائین،

بیچارہ نکتہ دان اداہائے عشق نیست ضائع مکن بہ غیر نگہ ہائے راز را

ایسے محبوب کی گلی کی رونق کے لئے علامہ کے نزدیک نظر بازون کی نہین بلکہ تڑپتے ہوئے

قلوب کی ضرورت ہے،

رونق کوئے تو ز ارباب تماشا نشود بسملے چند دران راہگذر می بایست

اسی خاک آستان مین وہ روحانی جذب و اثر ہے، کہ جبین نیاز بلا کسی سعی و ارادہ کے سربسجود

ہو جاتی ہے،

آستان کہ باشد این کہ مرا سجدہ بخواست از جبین بچکد

اس موقع پر علامہ کا پیام اخلاص و عقیدت بھی سن لینا چاہئے جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کے جذبۂ محبت

کی پاکیزگی کا کیا عالم ہے، اور اُن کی نگاہِ شوق کس حد تک اس خاک آستان کی عظمت شناس ہے، فرماتے ہیں

نسیم صبح بیا، راحتے بجان برسان ‏ ‏ پیام بندہ بہ آن خاکِ آستان برسان

متاعِ جان دہم ار بایدت مزدی خواہی ‏ ‏ وگرنہ لطف بفرمای و رایگان برسان

وفور شوق شکیبا نمی تواند شد ‏ ‏ روا مدار درنگ و ہمین زمان برسان

حدیثِ شوق نہ چندان کہ در بیان گنجد ‏ ‏ اگر نہ جملہ توان انچہ می توان برسان

تصرفے کن از پیش خود در و چیزے ‏ ‏ چنان کہ با تو بگویم تو ہمچنان برسان

بہ آستانہٴ او سرنہ و زروے ادب ‏ ‏ درود گوے و دعایم زبان زبان برسان

بگو کہ بر طبق وعدہائے پے در پے ‏ ‏ بیا و مرتبہ من بہ آسمان برسان

سلام شوق و تمنا ز بندہ نعمانی ‏ ‏ بہ ساکنانِ درِ او یگان یگان برسان

پیام رسانی کی اُجرت میں متاع جان پیش کی جارہی ہے، سرنیاز موّدبانہ جھکا ہوا ہے، زبان چدرود و دعا کا سلسلہ برابر جاری ہے، غور کرو کیا عاشقانہ خلوص و ایثار کا اس سے زیادہ اور کوئی پُر کیف منظر ہو سکتا ہے؟ معلوم نہیں کہ علامہ کے ذوق آشنا قلب نے کس عالم وجد و حال میں یہ پُرسوز پیام دیا تھا، جذبات کی پاکیزگی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن زبان کی شیرینی اور لطافت بھی خاص لحاظ کے قابل ہے، علامہ نے خود نہایت سچ کہا تھا،

در حیرتم کہ پاکی گفتارش از کجاست ‏ ‏ شبلی مگر ز مردمِ ہندوستان نبود

(باقی)

تاریخ اسلام حصہ دوم

(بنی امیہ) یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل، (جدید اڈیشن)

قیمت: ۱۰ ؎ ‏ ‏ "منیجر"

فرمان محمد شاہ غازی

اور

مخدوم شاہ صدرالدین صوفیؒ

از جناب مولوی سید محمد عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی

میں ایک عزیز کی تقریب شادی کی شرکت کی غرض سے جب قصبہ "کابر"[1] گیا، تو فاتحہ پڑھنے کے لیے مخدوم شاہ صدرالدین صوفی کے مزار مبارک پر حاضر ہونے کا موقع ملا، اور مزار کے مجاورین اور جاگیر موقوفہ کے وارثوں سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا تھا، دریافت حال کرنے پر امیر علی خاں[2] صاحب مرحوم متوطن علی پور کابر نے چند فرامین[3] ۱۸۳۶ء و ۱۸۴۱ء و ۱۸۴۷ء و ۱۸۵۵ء کے، اسکے علاوہ ایک فرمان ۱۱۱۶ھ کا قاضی احسان[4]

---

[1] قصبہ مذکور عہد قدیم میں رانا مالا مدن مہی سنگھ کے نام سے موسوم اور شاہجہاں کے عہد میں چک جہاں کے نام سے مشہور تھا، قصبہ مذکور کی ایک توزیع ابتک اسی نام سے مشہور ہے، مغلیہ عہد میں اسکی حیثیت جب پرگنہ کی ہوئی تو اکابر کے نام سے زبان زد خلائق ہوا، مگر اب بحذف الف کابر سے مشہور خاص و عام ہے، قصبہ مذکور میں مٹی کا ایک بلند اور بہت وسیع گڈہ ہے، جسکا رقبہ شاید باون بیگھہ کے ہے، یہ سادات کی قدیم بستی ہے، یہاں کے بیشتر باشندے نکل کر مختلف مقامات میں آباد ہوگئے ہیں، قصبہ مذکور ضلع گیا صدر سب ڈویژن میں اور ریلوے اسٹیشن اسمٰعیل پور سے تین میل سمت مغرب واقع ہے [2] خانصاحب موصوف بہار خان عرف بہار شاہ جمعدار خاص قلعہ شاہی دہلی کے اولاد و خفا سے ہیں، واللہ اعلم، جہاں ذکر فرمان مندرجہ میں ہے [3] یہ کل فرامین عہد عالمگیریہ کے حکام اعلیٰ سے متعلق ہیں [4] فرمان مذکور کے سرنامہ پر احسان ۱۱۱۶ھ مسطور ہے، اور تحریر ہے کہ سند معافی سو بیگھہ و پانزدہ دہور زمین بھا ولی مع درختان و باغ تحریر تاریخ پنجم شہر شوال ۱۲۰۶ھ

کی مہر کا، دوسرا خاص محمد شاہ غازی کی مہر کا، جس پر شجاع الدین محمد خاں[1] ناظم بنگالہ و بہار کی تصدیقی دستخط
بھی ہیں، اس دوسرے فرمان کی نقل صحیح میں نے لی ہے، فرمان مذکور کی مہر مدور سیاہ تھی، جو سرنامہ پر
لگی ہوئی تھی، اور اس میں محمد شاہ غازی مسطور تھا،

عبارت مندرجہ فرمان شاہی:-

چون .... صوبہ[2] خاص قصبہ بہار متعلقہ خاص عملہ پرگنہ کابر .... چوں مواری
چہل و دو و نیم بیگہہ زمین مع تاڑ و باغ در زمین قصبہ کابر خاص پرگنہ خاص سند بحالی کہ بطور نیاز درگاہ
شاہ صدر الدین قدس سرہٗ کہ از پیش قدیم بنام بہار خاں عرف پہاڑ شاہ جمعدار خاص جہاں پناہ
تخت صدر دہلی یکے از مرید و مجاور خاص شاہ صدر الدین قدس سرہٗ .... می آید
حالا از سرکار بدستور سابق بحال و برقرار داشتہ محاصل زمین چہل و دو و نیم بیگہہ مع تاڑ و باغ مزاحم و
متعرض نشوند، تاکید اکید دانند و نامزدہ محاصل زمین و تاڑ و باغ سال بسال قابض و متصرف
باشد، دریں باب تاکید اکید دانستہ حسب المسطور بالا بعمل آرند، فقط ۴۲½ بیگہہ تاریخ پنجم
شہر ربیع الثانی سنہ ۲ جلوس والا قلمی شد

---

[1] تاریخ ہند کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ امرائے شاہی میں یہ پہلا شخص ہے جس نے بیک وقت بنگالہ اور بہار کی صوبہ داری اور نظامت
کی دوہری ذمہ داری کو انجام دیا، نواب مرشد قلی خاں ناظم بنگالہ کا یہ داماد ہے، نواب مذکور نے اپنی نظامت کے زمانہ میں اسکو اڑیسہ کی صوبہ داری
دلوائی تھی، مگر اس نے قلی خاں کے منشا کے خلاف صوبہ بنگالہ کی سند صوبہ داری حکومت سے خود حاصل کر کے نواب ممدوح کی وفات کے بعد ۱۱۳۹ھ
میں مرشد آباد میں مسند امارت پر متمکن ہوگیا، اور فخر الدولہ کی معزولی کے بعد ۱۱۴۲ھ میں صوبہ بہار کی سند صوبہ داری حاصل کی اور بہار کو بنگالہ میں شامل
کر کے دونوں صوبوں کی حکومت کے فرائض انجام دیتا تھا، پھر نواب محمد علی وردی خاں مہابت جنگ کو بہار کی صوبہ داری اور
منصب پنجہزاری اور خطاب مہابت جنگ حکومت وقت سے دلوایا، (ماخوذ از سیر المتاخرین فارسی)

[2] یہ عبارت پڑھی نہ جا سکی،

فرمان مذکور کی پشت پر "شجاع الدین محمد خاں خادم جہاں پناہ وزیر اعظم" بصورت دستخط رقم ہے،

فرمان مذکور کی عبارت سے ظاہر ہے کہ روشن اختر بن خجستہ اختر بن جہاں دار شاہ، ابو المظفر محمد شاہ بادشاہ
کے عہد حکومت اور موتمن الملک ناصر الدین نواب شجاع الدولہ شجاع الدین محمد خاں اسد جنگ ناظم بنگالہ
و بہار کے عہد نظامت میں فرمان مذکور بادشاہ کی بارگاہ سے جمعدار خاص تخت صدر دہلی، بہار خاں عرف
پہاڑ شاہ کے نام صادر ہوا تھا، جو آج تک جمعدار مذکور کی اولاد میں وراثۃً محفوظ ہے، مذکور الصدر باغ
کی صورت اس وقت کشت زار کی ہے، اور جمعدار مذکور کے ورثہ کے تصرف میں ہے، جمعدار مذکور شاہ
صدر الدین صوفی رحمہ اللہ کے مرید با صفا اور کابر کے اکابر سے تھے، جن کے اخلاف تا حال مزار مبارک[1] کی
مجاوری اور خدمت کے فرائض انجام دیتے اور مزار مبارک کے نذر و نیاز اور متعلقہ کشت زار کی آمدنی
سے متمتع ہوتے ہیں،

مخدوم شاہ صدر الدین صوفی رحمہ اللہ، مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بہاری
نور اللہ مرقدہٗ کے خاص مریدوں سے تھے، مخدوم بہاری کے ملفوظات اور مکتوبات میں بعض حکایات
اور واقعات کے سلسلہ میں آپ کا ذکر خیر آتا ہے، مگر صوفی موصوف کے سوانح حیات سے متعلق کوئی
مستقل تذکرہ دستیاب نہیں ہوا،

"سیر المدار" کا اقتباس بلا قید صفحہ و باب ایک بزرگ نے بندہ کے پاس ارسال کیا ہے جسکی عبارت
یہ ہے،

---

[1] مزار مبارک پختہ چہار دیواری کے اندر بلا قبہ بستی کے باہر شمال سمت میں واقع ہے جسکے پائیں انداز میں ایک بڑا سیاہ پتھر پڑا ہوا ہے،
اور دوسرا بڑا سنگ سیاہ در کے سامنے نصب ہے، جس پر مختلف نقوش اور انسانی شکلیں بنی ہوئی ہیں، کسی برات کا مع ساز و سامان کے نقشہ کندہ ہے،
کابر کے باشندوں میں اشکال و نقوش کے متعلق صاحب مزار کے تصرفات و کرامات کی عجیب عجیب داستانیں زبان زد ہیں، مقبرہ ایک وسیع باغ میں ہے
جو عوام میں عبدل باغ کے نام سے مشہور ہے، واقعی یہ باغ کے آثار سے چند درخت باقی ہیں، باقی کشت زار ہے، وسیع گڑھ اور لاٹ سے
سے ظاہر ہوتا ہے کہ بستی بہت قدیم ہے اور کسی زمانہ میں اسکو مرکزیت حاصل رہی ہوگی، عجب نہیں بودھ عہد سے یہ متعلق ہو۔ واللہ اعلم

مندرجہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور مخدوم بہاری کے خلفاء میں تھے، چنانچہ صاحب سیر المدار لکھتے ہیں کہ مخدوم بہار کے خلفائے نامدار کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ ایک خلیفہ شیخ صدر الدین البہاری مجذوب اور مغلوب الحال تھے، جو شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو دنیا بے اختیار ہو کر ترک دیتا تھا، ان کا مزار کرج کا بریں ہے جو توابع بہار سے ہے،

فضل الصدری، ایک قدیم فارسی مخطوطہ[۱] موسوم بفضل الصدری مرتبہ مولوی محمد شریف تلمیذ رشید مولانا قاضی حبیب اللہ خلف الصدق مخدوم شاہ صدر الدین صوفیؒ عبد الغفور مرحوم متوطن بھٹولیا پرگنہ منورہ ضلع گیا کی دستاویزات میں دستیاب ہوا ہے، جس سے صوفی موصوف کے نسب و حسب اور اسلاف و اخلاف کے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، اس میں آپکے اور آپکے نبیرہ قاضی شاہ ابو القاسم رحمہ اللہ کے مناقب و کرامات مندرج ہیں، مگر سنہ و تاریخ سے عاری ہے،

حالات صوفی موصوف نسباً عثمانی، ارادۃً فردوسی اور وطناً حلبی بہاری تھے،

مخدوم شاہ صدر الدین صوفی بن علامہ عطاء اللہ بن فاضل العصر شاہ فتح اللہ بن معرفت دستگاہ شاہ جلیل سیاح بن مقبول اللہ امین دین حضرت شاہ قمر الدین حلبی بن شاہ عباد اللہ بن شاہ غلام احمد بن حضرت شاہ یعقوب نوری بن حضرت اسحاق دانشمند بن زکریا بغدادی بن قطب الاقطاب شیخ ہارون بن عارف باللہ شیخ عبد اللہ اصغر بن امیر المومنین امام المتقین ناشر القرآن کامل الحیاء والایمان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

اخلاف میں چند اشخاص قابل ذکر ہیں، قاضی باب اللہ، قاضی بایزید، قاضی حبیب اللہ، قاضی شاہ ابو القاسم، قاضی فیض اللہ، قاضی عنایت اللہ، قاضی عطاء اللہ، شاہ غوث الاعظم، شاہ دلبر،

[۱] مخطوطہ مذکورہ اصل نسخہ سے منقول ہے جسکی کتابت [illegible] ہے، کاتب کا نام شیخ امجد علی متوطن موضع بھٹولیا، پرگنہ منورہ ضلع گیا بہار ہے، عبد الغفور صاحب مرحوم صوفی صاحب موصوف کی اولاد سے ہیں، ان کی دستاویزات میں موضع مذکور کی معافی کی چند مستند سندیں بھی محفوظ ہیں جنکا ذکر آگے آئیگا،

مولانا شاہ عبد الحی،

شاہ قمر الدین حلبی رحمہ اللہ ایک ناخوشگوار واقعہ کے سبب بادشاہ وقت سے آزردہ ہو کر حسب ہدایت بزرگان خاندان و پیران طریقت زن و فرزند کے ہمراہ حلب سے روانہ ہوئے، ہر منزل پر وہاں کے باشندوں نے بڑے اخلاص و محبت سے خیر مقدم اور خاطر داریاں کیں، جب شاہجہاں آباد پہنچے تو بادشاہ وقت کی جانب سے خیر مقدم کے ساتھ اقامت گزینی اور عہدہ اور منصب کی قبولیت کی درخواست کی گئی، مگر آپ نے بے نیازی ظاہر کی، اور شاہجہاں آباد سے بہار روانہ ہوئے، جب صوبہ بہار پہنچے تو ناظم صوبہ نے عمال و حکام کے ہمراہ آپ کا استقبال کیا، اور بڑی خاطر مدارات کی، معافی و وظیفے پیش کیے، مگر آپ نے قبول نہیں کیا، اور فرمایا کہ حلب کی حکومت و امارت اور منصب دینی و دنیوی چھوڑ کر ہندوستان اور پھر بہار حکومت و امارت اور وظیفہ خواری کی غرض سے نہیں آیا ہوں، ہاں اگر چند گاؤں بالمعاوضہ حکومت کی جانب سے بندوبست کر دیے جائیں تو مضائقہ نہیں، یہ صورت وجہ معاش کے لیے کافی ہوگی، چنانچہ ایک مغل زمینداری کی زمینداری جو ہر پورہ ہندیو پرگنہ مسوڑہ میں تھی، اور سرکاری مالگذاری ادا نہ کرنے کے سبب ضبط ہو گئی تھی، حسب فرمائش ناظم صوبہ حکومت سے اس کا بندوبست کرا کے مقام مذکور میں مالکانہ حیثیت سے سکونت پذیر ہوئے، جس زمیندار کی زمینداری بندوبست کرائی تھی، اس نے حکومت سے ساز و باز کر کے اور عمال کو رشوت دیکر زمینداری مذکور پر ظالمانہ طریقہ سے قبضہ کرنے کی کوشش کی چنانچہ جب شاہ موصوف اپنے تین فرزندوں کی بارات لیکر جا رہے تھے تو اثنائے راہ میں اس بد اندیش زمیندار نے عمال حکومت کے ہمراہ برات پر حملہ کر دیا، شاہ موصوف کے بھائیوں، فرزندوں، عزیزوں، خادموں، مخلصوں نے مقابلہ کیا مگر ناکام رہے، اور کل ہمراہیوں سمیت شہید ہو گئے،[۱]

[۱] نمونہ از مخطوطہ قدیم فارسی موسوم بفضل الصدری مرتبہ شیخ امجد علی متوطن بھٹولیا منورہ گیا، بہار، مکتوبہ [illegible]

مخدوم شاہ عمدالدین صوفی اور مولوی شاہ بہاری حضرت مخدوم شاہ شرف الدین قدس سرہ کی
بارگاہ میں علوم صوری و معنوی کے حصول اور کمالات باطنی کے اکتساب میں مشغول تھے، اس لیے وہ
اس قتل عام سے بچ رہے، اس حادثۂ جانکاہ کی خبر پانے کے بعد بھی صوفی موصوف صبر و شکر کے ساتھ
اذکار و اشغال میں مشغول رہے، چند دنوں کے بعد برداشتہ خاطر اور وارفتہ مزاج ہو کر حضرت مخدوم صاحب
کے حکم کے مطابق حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس کے لیے روانہ ہو گئے، مدینہ طیبہ پہنچکر روضۂ
اقدس کی جاروب کشی اختیار کی، اور تین چلے کامل یہاں مقیم رہے، چوتھا چلہ پورا نہ ہونے پایا تھا، کہ
صاحب روضہ علیہ السلام کی جانب سے ہندوستان کی مراجعت اور خلق کی ہدایت کی بشارت ہوئی،
اس لیے حسب ہدایت ہندوستان واپس آئے، اور مخدوم بہاری کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم و
تزکیہ میں مشغول ہو گئے[1]، کچھ مدت کے بعد بحکم مرشد شاہ عبد الجلیل الک موضع بالی وغیرہ پرگنہ داور
سرکار بہار کی دختر نیک اختر سے عقد مناکحت کر کے چند سال مقام مذکور میں مقیم رہے[2]، پھر قصبہ کابر میں سکونت پذیر
ہوئے، اور تاحیات تعلیم و تزکیہ کی خدمت انجام دیتے رہے، اور مدرسہ و خانقاہ قائم کر کے مخلوق کو ظاہری
و باطنی فیوض سے فیضیاب کرتے رہے، آپ کے تین فرزند صاحب علم اور صاحب منصب و جاہ ہوئے،
اور وہ سب مختلف مقامات میں مختلف حالات کے ماتحت سکونت پذیر ہو گئے، چنانچہ شیخ المشائخ
مولانا باب اللہ اگہی پرگنہ داور میں مالکانہ اور زمیندارانہ حیثیت سے، مولانا قاضی بایزید چک قاسم پرگنہ
داور میں حاکمانہ حیثیت سے، مولانا قاضی حبیب اللہ محی الدین پور[3] پرگنہ داور میں مالکانہ و حاکمانہ حیثیت سے سکونت
پذیر ہوئے، مولانا قاضی بایزید کی اولاد میں مولانا قاضی شاہ ابوالقاسم رحمۃ اللہ ظاہری و باطنی ہر حیثیت سے ممتاز تھے۔

---

۱ ماخوذ از مخطوطہ فارسی۔ ۲ بزرگان کہن سال کا بیان ہے کہ عہدہ قضا پر مامور ہو کر آپ کابر تشریف لائے، اور جب آپ کے اخلاف اس عہدہ کے لائق ہو گئے تو آپ اس منصب سے سبکدوش ہو گئے۔ ۳ مخطوطہ فارسی میں آپ کے بعض مناقب و کرامات مذکور اور مختصر حالات بلا قید تاریخ و سنہ مرقوم ہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ ور اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، آپ کا مزار بخیرہ موضع جھولیا پرگنہ منورہ و سب ڈویژن اورنگ آباد ضلع گیا میں ایک باغ میں بلا کسی چار دیواری اور قبہ کے ہنوز موجود ہے، مقام مذکور کے بیشتر باشندے آپ کے معتقد ہیں، راقم الحروف کا بھی مادری سلسلہ آٹھ واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔

حکومت وقت کی جانب سے عہدۂ قضا پر مامور ہو کر مختلف مقامات پر فرائض قضا انجام دیتے رہے، پرگنات داور
منورہ، گوہ، انچھا کے جب قاضی ہوئے تو داور سے نکل کر منورہ کے متصل ایک پرفضا مقام بھولیا میں
سکونت پذیر ہو گئے،

شاہ صاحب موصوف نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں مختلف مقامات میں مختلف حالات کے تحت کیں،

شاہ صاحب کے نام بادشاہ وقت اور ناظمین صوبہ کی جانب سے بیشتر معافیاں تھیں جو آپ کی وفات کے
بعد آپ کے اخلاف کے نام بسلسلۂ نیاز درگاہ حضرت شاہ ابوالقاسم منتقل کر دی گئیں، جو اب تک باقی ہیں اور
سب ذاتی تصرف میں ہیں، صرف چند بیگہ زمین اور چند درختوں کی آمدنی ... نذر و نیاز پر صرف ہوتی ہے،
چند اسناد معافی شیخ امیر اللہ کی دستخطی و مہری جو محمد شاہ اور احمد شاہ اور شاہ عالم کے عہد حکومت کا صاحب
منصب و جاہ جاگیردار تھا، اب تک محفوظ ہیں[1]، اسناد مذکور کی نقل صحیح درج ذیل ہے:

اسناد معافی :- "نیاز حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ پنج بیگہہ دہ بسوہ زمین مزروعہ بصیغہ نیاز محمد دلیر
مع فرزندان از سنہ [illegible] فصلی تحریر فی التاریخ پنجم ربیع الثانی سنہ ۱۳ جلوس والا مطابق سنہ [illegible] فصلی بدستخط امیر اللہ
ایضاً، سند جاگیر بمقام ہولی چک پرگنہ منورہ سرکار صوبہ بہار موازی ستو بیگہہ دہ بسوہ زمین مزروعہ نیاز
شیخ دلیر از سنہ ۱۱۴۲ فصلی بدستخط امیر اللہ، تاریخ غرہ صفر المظفر سنہ ۶ جلوس والا القمی الاحکم
ایضاً، بنام محمد دلیر سنہ ۱۱۴۲ فصلی موازی یک بیگہہ موضع ہولی عملہ پرگنہ منورہ، بدستخط امیر اللہ
ایضاً، بنام شیخ محمد دلیر از سنہ ۱۱۴۲ فصلی موازی دو بیگہہ دہ بسوہ مزروعہ نیاز درگاہ حضرت شاہ محمد قاسم قدس سرہٗ
تحریر فی التاریخ صفر المظفر سنہ ۶ جلوس، ایضاً قطعہ سند موازی پنج بیگہہ زمین بوجہ نیاز بموجب تفصیل ذیل،
بنام خلیفہ حبیب اللہ وارث خلیفہ محمد دلیر مرحوم بحال نمودہ شد تاریخ نہم .... سنہ ۱۲۰۱ فصلی،
ایضاً، سند زمین بنام خلیفہ دلیر بوجہ نیاز در موضع ہولی چک۔

---

۱ ذخیرہ دار عبد الغفور مرحوم کے یہاں یہ چند اسناد و معافی اب تک موجود ہیں، میں نے ان اسناد اور مخطوطہ فارسی مرتبہ شیخ امجد علی مرحوم کی نقل انہی کی حیات میں ان کی اجازت سے حاصل کی تھی، جزاہ اللہ خیر الجزاء، انکی اولاد کو سند وراثت چند موجود ہیں جنکے پاس سندیں موجود ہیں۔

مختصر اللطیف

از

جناب شیخ محمد فرید صاحب برہان پور

کتاب ادبیاتِ فارسی مین ہندوؤن کا حصہ" مین روپ نراین کھتری کی دو کتابون (۱) شش جہت[1] (۲) مخزن العرفان[2] کا ضمناً ذکر کیا گیا ہے، کھتری موصوف کی لغت کی کتاب "نصاب جامع" کا سرآپا بزم[3] مین سنایا جاچکا ہے،

عہدِ عالمگیری کے اس صاحبِ علم وفضل کی ایک اور تالیف "مختصر اللطیف" ہے، جس کے متعلق مختصر معلومات ناظرینِ کرام کی خدمت مین پیش کرتا ہون،

تالیف مذکور کا پیشِ نظر مصور مخطوطہ ۹½ × ۵½ تقطیع کے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ پر ۱۴ سطرین ہین، بیچ کے چند اوراق غائب ہین، سنہ تصنیف ۱۱۲۶ھ ہے، اور کتابت ۱۲۱۲ھ کی ہے، اس نسخہ مین شہاب الدین غوری، جلال الدین خلجی، غیاث الدین، محمد شاہ بن فرید خان اور معز الدین وغیرہ سلاطین کی رنگین دینار کا تصویرین ہین، یہ تصویرین دیدہ زیب اور دلاویز ہین، اور قلم کاری اور نقاشی مین یکسانیت پائی جاتی ہے، سلاطین کی شباہت مین معمولی سا فرق کر دیا گیا ہے،

تصویر کے خاکے سے تصور کو ذرا زحمت دیجئے،

ایک معمولی تخت پروالی تاج و سر پر ہاتھ مین گل سُرخ لئے رونق افروز ہے، سر پر چتر سایہ فگن ہے،

---

(۱) ادبیاتِ فارسی مین ہندوؤن کا حصہ ص ، (۲) ایضاً ص ۱۴۴ (۳) معارف اکتوبر ۱۹۴۴ء ،

پیشِ خدمت حاضر خدمت ہے، خادم جانب پشت مگس رانی کر رہا ہے،

ملخص روپ نراین نے کتاب کے دیباچہ مین لکھا ہے کہ مختصر اللطیف" بندرابن داس بہادر شاہی کی کتاب لب التواریخ[1]" کا خلاصہ ہے جس مین شاہانِ دہلی، گجرات، دکن، مالوہ، سندھ وغیرہ کے حالات کا تذکرہ ہے، اور اورنگزیب عالمگیر (علیہ الرحمہ) کی حکومت کے صرف ۴۰ سال کے واقعات مختصراً درج کئے گئے ہین، لطف اللہ خان صادق کے حکم سے ۱۱۲۶ھ مین یہ کتاب تالیف کی گئی،

"احقر ہیچمدان روپ نراین کھتری، متوطن سیال کوٹ بضافت صوبہ دار السلطنت لاہور معروضِ والا شان می گرداند کہ حالاتِ اورنگزیب عالمگیر را منشی محمد کاظم تا سنہ دہ جلوس بہ حکم آنحضرت در حیز تحریر درآورد و بعد ازان آنحضرت از کمال خضوع و انکسار کہ جبلتِ ذاتِ بابرکات بود، منع نمودہ فرمودند کہ احوال ما کراماً الکاتبین می نویسند، چرا این امر محال بے محاصل دیگر از آنچہ داریم" لہذا انان موقوف ماند، اما رائے بندرابن داس بہادر اہل کہ از بندہ ہائے قدیم و صاحبِ استعداد بود، وقائع عہد آنحضرت تا سنہ سی جلوس بہ طور خود بہ طریقِ اختصار و اجمل نوشتہ و احوال سلاطینِ دہلی را از ابتدائے ظہور اسلام با کیفیتِ سلاطینِ دکن و گجرات و مالوہ و خاندیس و بنگالہ و جونپور و سندھ و ملتان و کشمیر بر آن اضافہ نمودہ لب التواریخِ ہند موسوم ساختہ وچون آن نسخہ، بہ مطالعۂ نواب لطف اللہ خان[2] صادق بہادر نیک نام والا شان کہ در سنہ

---

(۱) ادبیاتِ فارسی مین ہندوؤن کا حصہ ص ۵۹، بزمِ تیموریہ دار المصنفین اعظم گڈھ ص ۲۰۸، (۲) صاحب مآثر الامرا نے لکھا ہے کہ شیخ زادہ نواب لطف اللہ خان پانی پتی نے قطب الدین محمد معظم المخاطب بہ بہادر شاہ کے عہد مین دربار مین رسوخ حاصل کر لیا، اور جلد ہی اعلیٰ مراتب پر فائز ہو گیا، جہاندار شاہ کے عہد مین معتوب ہوا، منقولہ و غیر منقولہ تمام جائداد ضبط ہو گئی، بعد مین فرخ سیر سے ربط و ضبط بڑھا لئے، اس کے عہدِ حکومت مین سید عبد اللہ خان

یک ہزار و یک صد و بست و شش ہجری (۱۱۲۶ھ) بمطابق سال سوم از جلوس فرخ شاہی
بہ تقریبے بعد از دستوری پایگاہ والا در لاہور تشریف آوردہ بودند، در آمدہ، باین ذرہ بے مقدار
کہ نقش بندگی از مدتے در خدمت آن قدر داشت، فرمودند کہ این کتاب اگرچہ مختصر است،
اما ہنوز طویل اگر این را در مجلدے بہ نہایت اختصار در آوردہ شود و خاص حالات جمیع سلاطین
درج گردد، مناسب خواہد بود، بنا برین احقر کج مج زبان بر طبق امر محکم آن والا مرتبت آنرا
بہ عبارتِ عام فہم کہ بر آن قادر بود، در سلکِ اختصار کشیدہ و مجمل احوال حضرت عالمگیرؒ تا
زمان شنفار شدنِ ایشان با وقائع مختصر عہد حضرت شاہ عالمگیر بہادر تا اوائل سنہ جلوس
فرخ شاہی نیز مندرج نمودہ بہ مختصر اللطیف مسمی گردانید و تاریخ اتمام آن را بدین گونہ
در رشتہ نظم کشیدہ،

ہزار شکر کہ این مختصر بہ فضلِ خدا
تمام گشت بہ طرزِ بدیع ذاتِ لطیف

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) کے ایما سے دار الخلافہ کا انتظام اس کے سپرد کیا گیا، قطب الملک نے دیوان خالصہ
اس کے نام تجویز کی، بادشاہ نے اس عہدہ پر چھبیلہ رام ناگر کو نامزد کر دیا تھا، یہ اختلاف رنجش میں تبدیل ہو گیا، اور
قطب الملک نے کہلا بھیجا کہ "اگر وزیر اول کی تجویز قبول نہ ہوئی، تو بادشاہ کا استقلال معلوم" آخر کار خالصہ دیوانی
کی خدمت اس کے سپرد کی گئی، محمد شاہ کے عہد میں "خانساماں" کی خدمت سپرد ہوئی، ہشتش ہزاری
منصب اور شمس الدولہ تہور جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوا، پھر چند "ناشایستہ" حرکات کی وجہ
سے نادر شاہ کی آمد کے بعد معتوب ہوا، اور احمد شاہ کے عہد میں انتقال کیا، اس کے نام کے ساتھ
صادق لقب کا اضافہ کر دیا گیا، اور یہی زبان زد خاص و عام ہے۔
[1] افسوس کہ کتاب کا یہ حصہ جو حضرت عالمگیر رح کے حالات پر مشتمل تھا، ایک فاضل "ہدایت یافتہ" جلد ساز
کا نذر ہو گیا، یہ جلد مولوی سید احکام اللہ صاحب بخاری کی ملک کتاب مذکور کا ہے۔

....

چو یافت عزِ قبولیت خطاب لطیف
بہ فکر سال تمامیش ز ہاتف غیب
ندا رسید بکرر کنید "کتاب لطیف"

"کتاب لطیف" کی تکرار سے سال اتمام ۱۱۲۶ھ مکمل آتا ہے،

اس کتاب کو کئی وجوہ سے اہمیت و امتیاز حاصل ہے،

(۱) عہد عالمگیر کی تاریخ ہے،

(۲) مؤلف غیر جانب دار ہندو ہے،

(۳) برار، خاندیس اور کلبرگہ جیسی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے تذکرے مختلف تاریخی کتب
میں بکھرے ہوئے ہیں، اس لئے بسا اوقات ان کے تاریخی واقعات، اور ان کے مشاہیر کے حالات
کی تلاش و تحقیق میں ایک ضمنی تذکرہ بڑا بیش قیمت ہوتا ہے، اور اس چھوٹی سی کتاب میں
اُن کے تذکرے علحدہ علحدہ عنوانات کے تحت مجملاً مل جاتے ہیں، جو تاریخ کے طلبہ کے لئے مفید ہیں،

(۴) معز الدین جہاں شاہ، فرخ سیر اور دوسرے تخت و تاج کے وارثوں میں جو جنگیں
ہوئیں، اُن کی تفصیل ایک علحدہ باب میں ہے،

(۵) آخری باب میں فرخ سیر کے عہد کے حالات ہیں،

(۶) ضمناً لطف اللہ خان صادق کی کارگذاریوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے،

اس کتاب کا پہلا باب شاہانِ دہلی کے تذکرہ پر مشتمل ہے، اور دوسرا باب سلاطین دہلی کے حالات
پر، اس ضمن میں چھ فصلیں ہیں،

فصل اول - حالاتِ سلاطینِ گلبرگہ،

فصلِ دوم :- واقعاتِ سلاطینِ بیجاپور،

فصلِ سوم :- حالاتِ حاکمانِ احمد نگر،

فصلِ چہارم :- احوالِ پادشاہانِ تلنگ (حیدر آباد)

فصلِ پنجم :- وقائعِ والیانِ برار،

فصلِ ششم :- سوانحِ حکامِ بندر

بقیہ ابواب عنواناتِ ذیل پر ہین :-

باب سوم :- حالاتِ کارفرمایانِ گجرات

باب چہارم :- ذکرِ حکامِ مالوہ

باب پنجم :- وقائعِ سلاطینِ خاندیس،

باب ششم :- احوالِ حکامِ بنگالہ،

باب ہفتم :- حالاتِ سلاطینِ شرقیہ،

باب ہشتم :- واقعاتِ حکامِ سندھ

باب نہم :- ذکرِ حاکمانِ ملتان

باب دہم :- کیفیاتِ فرمانروایانِ کشمیر

خاتمۂ کتاب کی عبارت یہ ہے،

"کتاب درپ نراین کھتری متوطن سیالکوٹ بمضافات صوبہ پنجاب بتاریخ بست و چہارم ذی الحجہ سنہ یک ہزار و دوصد و دوازدہ باتمام رسید"

ادبیات

جبر و اختیار

از

جناب محمد حسن صاحب لدھیانوی

بھٹکا ہوا راہی

چھایا ہے اُس غریب پہ کیا حزن بے پناہ
پردیس مین جو بھول گیا ہو وطن کی راہ

غربت کی شام ہے کوئی پرسانِ غم نہین
اک آہ بے کسی تھی اب اس مین بھی دم نہین

ٹوٹین جو دست و پا سرِ منزل پڑا رہے
جب دل ہی ٹوٹ جائے تو بیچارہ کیا کرے

گم کردہ راہ کون ہے مین ہی غریب ہون
فردوس سے نکالا ہوا بدنصیب ہون

ٹھیرا گناہ گار خدا کے حضور مین
پکڑا گیا ہون آہ ذرا سے قصور مین

اک دن وہ تھے کہ مین بھی وطن مین تھا شادمان
مجھ کو کچھ اس جلاوطنی کا نہ تھا گمان

یادش بخیر کیا ہی مبارک زمانہ تھا
جب گلستانِ خلد مرا آشیانہ تھا

حاصل مجھے بھی رتبۂ اوجِ قبول تھا
گلچینِ حسن گل کی نگاہون مین پھول تھا

اس خاکدان پہ آکے یہ رہرو بھٹک گیا
دشتِ گمان و وہم مین پھر پھر کے تھک گیا

اسوارِ رخشِ جبر ہون کس اضطراب مین
"نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب مین"

کندھون پہ اپنے بارِ امانت لیے ہوئے
"آیا ہون اختیار کی تہمت لیے ہوئے"

تہذیبِ نو کا سیل بہائے چلا مجھے — اے ناخدائے دین بڑھی تھامنا مجھے

جو اپنے بس کی بات تو چارہ کرے کوئی
قسمت بگڑ گئی ہو تو پھر کیا کرے کوئی

ضمیر کی آواز

آئی ندا کہ جبر پہ مجبور تو نہین — با عقل و اختیار ہے معذور تو نہین

پیدا کیا ہے احسنِ تقویم مین تجھے — اور حق شناس دل عطا[1] تقسیم مین تجھے

جس وقت مان کے پیٹ سے تو نے جنم لیا — لایا تھا اپنی فردِ عمل پاک و باصفا

آواگون کے سارے بکھیڑون سے پاک تھا — اور تجھ پہ کوئی بوجھ تھا اس کا نہ باک تھا

اسلام نے اُتار کے سارے یہ تیرے بار — آزادیِ عمل کا دیا تجھ کو اختیار

تیرا یہ جسم، تیرا عمل، تیرے یہ قوی — دیتے ہین سب ثبوت ترے اختیار کا

مین بھی تجھے جتاتا رہا ہون یہ بار بار — تجھ کو بدی سے بچنے کا حاصل ہے اختیار

جب تجھ کو اختیار کا چابک دیا گیا — پھر کس لئے تو جبر کے کھونٹے سے جا بندھا

تمیزِ نیک و بد بھی تجھے سب عطا ہوئی — پھر تو نے اپنی فردِ عمل کیون سیاہ کی

طاقت بدی سے بچنے کی جب تجھ کو مل چکی — ناحق تو آڑ ڈھونڈتا پھرتا ہے جبر کی

تجھ پر بھی اختیار کی حجت ہوئی تمام
مختار بھی حبیبِ خدا کا ہے ایک نام

خلعت ترا ہے کرمنا[1]، انی جاعل[2] — نخلِ شرف مین لگنے نہ دے کسی کا گھن

[1] لقد کرمنا بنی آدم [2] انی جاعل فی الارض خلیفۃ۔

اک گونہ جبر و صبر بھی ہین داخلِ صفات — اہلِ اُن کے بھی ہین موردِ صد رحمت و صلوٰۃ

لیکن ہے جبر و صبر بڑے حوصلے کا کام — اہلِ ہمم ہی پیتے ہین یہ تلخ و تند جام

تو نے انہین بنایا خطاؤن کا عذرِ لنگ — رنگِ رضا و صبر مین اے کم نظر یہ جنگ؟

تو خود تو خوابِ غفلت و تشک مین پڑا رہا — تقدیر کے سر اپنی خطا تھوپتا رہا

تقدیر کا تو اصل مین مفہوم ہے کچھ اور — تو نے سمجھ لیا اُسے قدرت کا جبر و جور

علمِ خدا کی وسعتین جتلائی تھین تجھے — آئندہ واقعات کا بھی علم ہے اُسے

یعنی وہ ہے خبیر و بصیر و فہیم کل — دانائے علم و حاضر و غائب علیم کل

ہر نیک و بد کا ہے اسے سب علمِ پیشگی — اُس کی کتابِ علم مین ہر بات ہے لکھی

تو نے سمجھ لیا اسے قسمت کا فیصلہ — ہمت کا ہے قصور سمجھ کی ہے یہ خطا

قسمت کسی کی حق نے بنائی نہین بُری[3] — تقدیر خود بشر نے بہ شر اپنی پھوڑ لی

جب جانتا ہے تو نہین حق کو بدی پسند — بہتر یہ ہے کہ تو بھی ہو نیکی پہ کاربند

ناحق کی بدگمانیان تجھ کو حق سے یہ کیون ہین ہو — وہ تیرا خیر خواہ[4] ہے، بدخواہ تو نہین

تو نے سمجھ لیا جسے تقدیر کی کمی
لائی ہوئی مصیبتین ہین تیرے ہاتھ[5] کی

اُس نے تو اپنی رحمت و لطفِ عمیم سے — درجہ دیا ہے اشرف مخلوق کا تجھے

عقل و حواس و قوتِ تسخیر و دست و پا — سب کچھ تجھے اُسی کے کرم سے ہوا عطا

[3] خدا کسی قوم کی حالت کو نہین بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے (قرآن ۱۳/۱۱) [4] کتب علی نفسہ الرحمۃ [5] ذلک بما قدمت ایدیکم و ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفو عن کثیر [6] وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک ۴-۹

تو اپنے ان قویٰ سے اگر ٹھیک کام لے	ہے بالیقین تاجِ خلافت ترے لئے
دُنیا یہ آزمایشون ہی کا مکان ہو	صبر و ثبات، حوصلے کا امتحان ہے
اے رُوحِ حق نصیب ترا تیرے ہاتھ ہو[۱]	جب تو ہے حق کے ساتھ تو حق تیرے ساتھ ہو
گر کوشش اور حُسنِ تدبر سے کام لے	تائیدِ ایزدی سے بھی کچھ ملے تجھے
تائیدِ حق تو ہمتِ مردان کیساتھ ہو	قسمت کو لکھنے والا قلم تیرا ہاتھ ہے
دو پہیون ہی سے گاڑی یہان چلتی ہو سدا	تقدیر ایک پہیہ ہے انسان دوسرا
جب وعدہ ہو چکا ہے لدینا مزید کا[۲]	کھوئی ہوئی بہشت کو رونے سے فائدہ؟

ہین حق کے پاس اور بھی باغِ جنان کئی

گر ایک خلد جاتا رہا دوسرا سہی

یون تو ہے کل جہان کا رزق شانِ خدا[۳]	انسان کی دوڑ دھوپ بہانہ ہو رزق کا
سرچشمہ دودھ کا نہین آتا ہے جوش مین	جب تک نہ اس کے ساتھ ہون بچّے کی کوششین
سعی و ثبات و کاوشِ پیہم ہے زندگی	ہو خود نگر تو فاتحِ عالم ہے زندگی
وہم و گمان کو چھوڑ تجھے یہ پتا بھی ہو	انسان کے جِدّ و جہد مین دستِ خدا بھی ہو[۴]
جبتک نہ پہلے کوشش کامل سے کام لین	زیبا نہین کہ کام توکّل پہ چھوڑ دین

---

۱ کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلمان — مومن ہے تو آپ ہی تقدیر الٰہی
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزدان — تو خود تقدیر یزدان کیون نہین ہو
اقبالؔ

۲ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ (وہان جو چاہین گے اُن کے لئے حاضر ہے، اور ہمارے ہان اور بھی بہت کچھ ہے) قرآن ۳ ان اگر بد طفل کے جو شدلبن روئی، ۴ جن لوگون نے ہمارے لئے کوشش کی ہم اُن کو ضرور اپنے رستے دکھادین گے، اور خدا تو نیکو کارون کے ساتھ ہے، (قرآن)

پوچھا کیا جب عمرؓ سے رسولِ کریمؐ نے	فرمایا پہلے زانوے اُشتر کو باندھ لے[۱]
دنیا و دین بھی ہے عملِ خیر و نیک سے	گر دس گنا یہان وہان ستر گنا ملے
در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست	انسان بخیر کوش کہ عالم دوبارہ نیست
مغرب کی آب و تاب بظاہر تو خوب ہو	لیکن یہ آفتاب قریب غروب ہو
لے نور شرق ہی کے سراجِ منیر سے	جس کی شعاعین دھارین آب حیات کے

ہر منیر شرق ہے پیغام آب و تاب

ظلمت کا پیش خیمہ ہے مغرب کا آفتاب

---

۱ حدیث:- اعقل ثم توکل ع:- بر توکل زانوے اشتر بہ بند،

سلسلۂ سیر الصحابہؓ

سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد مسلمانون کے لئے جن مقدس ہستیون کے کارنامے اور سوانح حیات مشعلِ راہ ہو سکتے ہین، وہ حضرات صحابہ کرام ہین، جن کے حالات ضخیم جلدون مین دار المصنفین نے شائع کئے ہین جو حسب ذیل ہین:

جلد		قیمت	جلد		قیمت
جلد اوّل	خلفاء راشدین طبع سوم	عہر	جلد ششم	سیر الصحابہ	ہے ر
جلد دوم	(مہاجرین اوّل) زیر طبع		جلد ہفتم	سیر الصحابہ	ہے عہر
جلد سوم	" دوم	للعہر	جلد ہشتم	سیر الصحابیات طبع سوم	
جلد چہارم	سیر انصار اول (طبع دوم)	ہے ر	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اوّل	ہے عہر
جلد پنجم	" دوم	ہے ر	جلد دہم	" دوم	للعہر

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

چند اور نئے رسالے اور اخبارات

گذشتہ مہینہ بعض اخبارات و رسائل اور ان کے خاص نمبروں پر ریویو باقی رہ گیا تھا جو اس مہینہ میں کیا جاتا ہے،

الجامعہ: مرتبہ جناب مولوی عبدالواحد صاحب برلاس، تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ صعہ فی پرچہ ار، پتہ جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ، پنجاب،

پنجاب کا عربی مدرسہ جامعہ محمدی عرصہ سے دینی علوم اور مذہبی تعلیم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے زمانہ کے حالات اور مقتضیات کے مطابق قدیم عربی نصاب و نظام تعلیم کی اصلاح و ترقی، عربی مدارس کی تنظیم، عربی علوم و فنون کی تحقیقات و اشاعت، اور اس قبیل کے دوسرے کاموں کا ایک وسیع پروگرام بنایا ہے، یہ مقاصد قریب قریب وہی ہیں، جن کے لئے آج سے نصف صدی پیشتر ندوۃ العلماء قائم ہوا تھا، اور گو اس کو ان تمام امور میں پوری نہ سہی تاہم بڑی حد تک کامیابی ہوئی اور کم از کم علماء کی جماعت میں ان چیزوں کا عام احساس پیدا ہو گیا، اور آج اس قسم کی جو آواز بھی اٹھتی ہے، وہ اسی کی صدائے بازگشت ہے، تاہم جامعہ محمدی کے یہ مقاصد نہایت مبارک اور مفید ہیں اور پاکستان کے علماء کو ان کا خیر مقدم کرنا چاہئے، مذکورۂ بالا رسالہ انہی مقاصد کی اشاعت اور تکمیل کے لئے نکالا گیا ہے، ہم نے اس کے صرف ایک ہی دو نمبر دیکھے ہیں، اس لئے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ ان مقاصد کے حصول کے ذرائع کیا اختیار کئے گئے ہیں اگر کچھ دیندار مخلص اور ہوشمند علماء اس کام کے لئے تیار ہو جائیں

تو پاکستان میں اس کی تکمیل دشوار نہیں ہے کہ خود پاکستان کے لئے اس کی ضرورت ہے،

جمیل: مرتبہ جناب اخلاق دہلوی و جمیل دہلوی، تقطیع بڑی ضخامت ۶۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ صہ فی پرچہ ۸ر، پتہ دفتر جمیل کوچہ استاد داغ چاندنی چوک دہلی،

یہ رسالہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی کی سرپرستی میں اردو زبان و ادب کی خدمت کے لئے نکلا ہے، چنانچہ زیر نظر نمبر میں اردو زبان سے متعلق متعدد چھوٹے چھوٹے مفید مضامین ہیں، ان میں ایک مضمون ہندو صاحب قلم موہن ناتھ صاحب شرر کا بھی ہے، جناب اخلاق کے قلم سے مولانا صہبائی دہلوی کی مشہور کتاب حدائق البلاغۃ کی تلخیص شعراء کے لئے بہت مفید ہے، "دہلی کے نئے ادیب اور شاعروں کا مسلسل تذکرہ" مولوی شفیع صاحب نیر دلچسپ بھی ہے، اور مفید بھی، افسانوں کا حصہ بھی ستھرا ہے، افسانوں میں "تصویر" والا جنندر کمار جی، اور "ذوق نظر" جناب شوکت تھانوی کے افسانے دلچسپ ہیں، ادبی حیثیت سے جمیل اسم بامسمیٰ ہے،

روحِ ترقی: جناب محمد منظر صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ، اور کتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ صر ششماہی سے رفی پرچہ ۹ر، پتہ: دفتر روح ترقی کوچۂ دادے صاحب نظام شاہی حیدرآباد دکن،

یہ علمی و ادبی پرچہ حال ہی میں حیدرآباد سے نکلا ہے، تاریخ، ادب، معاشیات، معاشرت، اور تعلیم اس کے خاص موضوع ہیں، زیر نظر نمبر میں تقریباً ان سب پر مختصر مضامین ہیں، ڈاکٹر محمد یوسف الدین ایم اے پی ایچ ڈی کے مضمون "اسلام کے معاشی نظریے"، کو گو سرخی سے کم مناسبت ہے لیکن معلومات کے لحاظ سے اچھا مضمون ہے، اس کے علاوہ "سفر انگلستان" جناب عبدالہادی صاحب "امریکہ کی ڈاک" جناب مجدالدین محمد جعفر صاحب بھی مفید مضامین ہیں، غلام جیلانی صاحب نے "دہلی مختلف شعراء کی نظر میں" کے عنوان سے دہلی کے متعلق مختلف دور کے شعراء کے تاثرات کو جمع کر دیا ہے، رسالہ معلومات کے اعتبار سے خاصہ ہے، لیکن مضامین کی ترتیب مناسب نہیں ہے،

نئی روشنی مرتبہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب تقطیع اوسط اخباری ضخامت ۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، قیمت سالانہ آٹھ روپے ششماہی للعہ، پتہ:- دفتر نئی روشنی، جامعہ نگر دہلی،

یہ ہفتہ وار اخبار جامعہ ملیہ دہلی کے لائق کارکنون نے نکالا ہے، اس کا مقصد نئے بدلے ہوے حالات کے مطابق مسلمانون کی سیاسی تربیت اور اُن کی رہنمائی ہے، اس کے فاضل اڈیٹر اور بیشتر لکھنے والے سیاسیات کے واقف کار، اور آزمودہ کار اہل قلم ہین، اس لئے ہندوستان و پاکستان کے ساتھ عالمی سیاسیات پر بھی نئی روشنی کا تبصرہ ناقدانہ اور اس کی رائین ماہرانہ ہوتی ہین جن سے سیاست مین درحقیقت روشنی حاصل ہوتی ہے، اور ان مسائل پر وہ التزام کے ساتھ لکھتا ہے، سیاسی مباحث کے علاوہ مختلف علمی ادبی اور دوسرے مفید موضوعون پر مضامین و معلومات بھی ہوتے ہین، ستھرے اور پاکیزہ ادبیات کی بھی چاشنی رہتی ہے، اس لئے یہ اخبار نہ صرف سیاسی بلکہ علمی و ادبی حیثیت سے بھی امتیازی درجہ رکھتا ہے، جامعہ ملیہ قدیم و جدید، ملک و ملت اور دین و سیاست کا سنگم ہے، اس لئے توقع ہے کہ ان تمام پہلوؤن پر اس کی نظر رہے گی، اور وہ اس فرقہ پرستی کے دور مین جب کہ اشخاص سے لے کر جماعتون تک کے خیالات مین اعتدال و توازن باقی نہین رہا ہے، اور بڑے بڑے کو وقار صحیح راستہ سے ہٹ گئے ہین، ملک و ملت دونون کی صحیح رہنمائی، اور اُن کی سچی خدمت کا فرض انجام دے گا، اور ملک کے بہی خواہ اس کی پوری قدردانی کرین گے، لیکن ملک قوم اور حکومت کی صحیح خدمت محض ان کی تائید ہی نہین بلکہ ان کی اصلاح کے لئے اُن کی غلط روی پر تنقید بھی ضروری ہے، "م"

رسالون کے خاص نمبر

ہمایون سالگرہ نمبر مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا تقطیع بڑی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت خاص نمبر عہ، پتہ: نمبر ۳۲ لارنس روڈ لاہور،

ہمایون ایک وضعدار رسالہ ہے، جو ہمیشہ ایک روش پر قائم رہا، اور زمانہ کے تغیرات و حوادث کا اوس پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا، لیکن قیام پاکستان کے بعد سے اس نے اوس کے اُن مسائل کو بھی جو اس کے موضوع سے متعلق ہو سکتے ہین، اپنے دائرہ مین شامل کر لیا ہے، اور علمی و ادبی مضامین کے ساتھ وہ پاکستان کے سیاسی ادبی اور لسانی مسائل کے متعلق بھی معلومات اور مفید مشورے دیتا، اور اُن پر نقد و تبصرہ کرتا ہے، اس کا یہ سالنامہ بھی ان مضامین و معلومات کا اچھا مجموعہ ہے، حسب معمول "بزم ہمایون" مین ۱۹۵۲ء مین اردو زبان کی مختصر سرگذشت بیان کی گئی ہے، "جہان نما" کے ماتحت پاکستان ہندوستان اور دوسرے ملکون کی اہم سیاسی خبرون کا خلاصہ ہے، اور "دنیا ۱۹۵۲ء مین" کے عنوان سے تمام دنیا کے اہم سیاسی واقعات و حوادث پر تبصرہ ہے، اور "پاکستان مین" کے عنوان سے پاکستان کے حالات و کوائف کی مختصر روداد ہے، علمی و ادبی مضامین مین "۱۹۵۵ء کے بعد افسانوی ادب مین زندگی کا شعور" وقار عظیم صاحب "غالب کی شاعری مین حسن و عشق" حمید احمد خان صاحب "اس داستان مین راز میری زندگی کا ہے" منظر انصاری "اردو اپنے نئے ماحول مین" ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ مفید مضامین ہین، منظر انصاری صاحب نے اسلامی تاریخ کے چند اخلاقی واقعات کو نہایت موثر انداز مین پیش کیا ہے، مضمون نگار نے صرف چند واقعات لکھے ہین، اسلامی تاریخ تو اس قسم کے واقعات سے معمور ہے، اگر وہ چاہین تو اس سلسلہ کو مستقل قائم رکھ سکتے ہین، ایسے مضامین کی بڑی ضرورت ہے، ڈاکٹر سید عبد اللہ نے پاکستان مین اردو کی موجودہ حالت اور اس کی آیندہ ترقی کی صورتون پر تبصرہ کیا ہے، اور اس سے متعلق مفید تجویزین پیش کی ہین، جو پاکستان کے ادیبون اور ارباب حکومت دونون کے لئے لائق غور ہین، ان علمی و ادبی مضامین کے علاوہ میان عبد العزیز فلک پیما کا افسانہ ریاکار "شوکت تھانوی کا ایک ملازم کی ضرورت ہے"، اور آغا بابر کا ڈرامہ "جہانگیر کی موت" دلچسپ ہین، منظومات کا حصہ بھی ستھرا اور پاکیزہ ہے، قومی و ملی نظمین بہت گرم ہین، یہ مجمو

علمی ادبی لسانی اور سیاسی ہر حیثیت سے مطالعہ کے لائق ہے،

ادبی دنیا مرتبہ جناب صلاح الدین احمد صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۲۰۲ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت و طباعت بہتر، قیمت سالانہ دس روپیہ، ششماہی ۵ر فی پرچہ عہ، پتہ دفتر ادبی دنیا لاہور،

پنجاب کے گذشتہ خونیں انقلاب میں اردو کے مشہور ادبی رسالہ ادبی دنیا کا دفتر اور اسی کے ساتھ اس کا سارا اثاثہ تباہ ہو گیا تھا، اس لئے وہ سال سوا سال تک بند رہا، گذشتہ دسمبر سے پھر نکلنا شروع ہوا ہے، اور تلافی مافات کے لئے فی الحال اس کی ضخامت دونی سے بھی زیادہ کر دی گئی ہے، جو شاید چند نمبروں تک قائم رہے، اس لئے اس کی حیثیت خاص نمبر کی ہو گئی ہے، اور مضامین میں بھی کافی تنوع پیدا ہو گیا ہے، اس کا بڑا حصہ ادب و افسانے پر مشتمل ہے، لائق اڈیٹر کے قلم سے ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان و پاکستان میں اردو زبان کے مستقبل پر نہایت مفید اور بڑی حد تک صحیح تبصرہ کیا گیا ہے، ادبی مضامین میں ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب کا مضمون "اردو غزل اور حسن ادا" بہت اچھا ہے، "ادب و جمالیات" جناب ریاض احمد صاحب، "محبت کا تدریجی ارتقاء" جناب وزیر آغا، اور "امامن مہری کے فلسفیانہ خیالات" چودھری محمد علی صاحب رودولوی دلچسپ مضامین ہیں، افسانوں میں بیشتر پنجاب کی دیہاتی زندگی کی تصویریں ہیں، جناب قیوم نظر صاحب کا ڈرامہ "من کی جیت" اور چودھری محمد علی صاحب کا افسانہ "زندگی کا مقصد" بہت پر لطف ہیں، چودھری صاحب ان صاحب طرز ادیبوں میں ہیں، جن کی تقلید نہیں کی جا سکتی، اُن کے خیالات اور تحریر دونوں میں جدت و قدامت کی بڑی لطیف آمیزش ہوتی ہے، ان دونوں مضامین میں اس زوال پذیر تہذیب کی دلکش جھلک ہے جس کے مٹے ہوئے نقوش میں بھی ایک طرح کی آب و تاب نظر آتی ہے، منظومات کا حصہ بھی خاصہ ہے، لیکن اب پنجاب کے رسالوں کو حقیقت پسندی کی جانب توجہ کرنی چاہئے، اور اپنی ملکی ضروریات کے مطابق ایسا صالح ادب اور لٹریچر پیدا کرنا چاہئے جو ان میں زندگی کا شعور و احساس پیدا کرے،

"م"

مطبوعات جدیدہ

راشٹریہ سیوا سنگھ (انگریزی) تقطیع اوسط ضخامت [illegible] صفحے، کاغذ اور ٹائپ عمدہ،
قیمت ۵ر، پتہ: سکریٹریٹ، لکھنؤ، یو پی،

یہ مختصر مگر مفید کتاب ہمارے صوبہ کی حکومت کے لائق پارلیمنٹری سکریٹری گووند سہائے صاحب نے لکھی ہے، اس میں "راشٹریہ سیوا سنگھ" کی حقیقت اور اس کے مقاصد بیان کئے گئے ہیں، اس ادارہ کے نام اور بعض کاموں سے تو عوام و خواص سب واقف ہیں، لیکن اس کی اصل حقیقت سے اس کے خاص ممبروں اور بڑے لیڈروں کے سوا، اس کے عام شرکاء تک آگاہ نہیں، یہ کتاب اس کا آئینہ ہے، جس سے اس کے ایک ایک خط و خال ظاہر ہو جاتے ہیں، گو اس وقت اس جماعت نے اپنی ظاہری عملی سرگرمیاں اور حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک ختم کر کے قانونی حیثیت سے اپنی زندگی بچا لی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ عوام اس کی حقیقت سے پوری طرح واقف رہیں، اور آئندہ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس کے دام میں نہ آئیں، اس کتاب کے مطالعہ سے اس ادارہ کا مقصد، اس کا نظام، اور طریقۂ کار بالکل واضح ہو جاتا ہے، اور یہ حقیقت بھی ظاہر ہو جاتی ہے، کہ گو اس نے عوام کو پھنسانے کے لئے ہندوستان میں ہندو حکومت کا قیام، یہاں سے مسلمانوں کا اخراج، پاکستان کا دوبارہ حصول، اور ہندو تہذیب و تمدن وغیرہ بہت سے عوام فریب سلوگن اختیار کئے ہیں، لیکن اس کا اصلی مقصد صرف ہندوستان کی جمہوری حکومت کو ختم کر کے ایک خاص طبقہ کی ڈکٹیٹرشپ کا قیام ہے، جس کے دوسرے معنی ہندوستان کی تباہی کے ہیں، یہ کتاب اس لائق تھی کہ اس کا ہندی اور اردو ترجمہ بھی شائع کیا جاتا تاکہ زیادہ سے زیادہ عوام تک

پہنچ سکتی، گووند سہائے صاحب کی یہ ہمت اور دیانت قابلِ تعریف ہے،

سفینہ از جناب سہیل مالیگانوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی

قیمت ۱ ؎ ۔ عہ پتہ قصر الادب مالیگانون ناسک،

مصنف اردو کے روشناس شاعر ہین، سفینہ ان کی رباعیون کا مجموعہ ہے، اردو شاعری مین خیالات اور بحر و وزن کے اعتبار سے سب سے زیادہ مشکل صنف رباعی ہے، اور اس کے لئے بڑی مشق و مہارت کی ضرورت ہے، مصنف نے حتی الامکان ان دشواریون سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کی ہے، اور بعض رباعیان ان کے قلم سے ایسی نکل گئی ہین جو دماغ کو متوجہ کر لیتی ہین، باقی فروگذاشتون کے متعلق انھون نے یہ تصریح کر دی ہے کہ اوزان کی پابندی جہانتک ممکن نظر آئی کی اور کہین کہین آزادی بھی اختیار کر لی ہے، تنقید کا زیادہ لحاظ نہین رکھا، قوافی مین ایطا کی قید سے الگ ہون، اس معذرت کے بعد کسی تبصرہ کی ضرورت نہین، یہ معذرت مصنف کے قلم سے ان رباعیات پر خود اچھی تنقید ہے،

ارتقاء مرتبہ جناب سرشار صدیقی تقطیع اوسط ضخامت ۳۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت تحریر نہین، پتہ ۱۔ مکتبہ توسیع الادب اردو منزل احاطہ کمان خان، کانپور،

کانپور اگرچہ ایک تجارتی شہر ہے لیکن اسکی مرکزیت لکھنؤ کے قرب اور اسکے ساتھ علمی و ادبی تعلقات کی بنا پر یہان ہمیشہ شعر و ادب کا مذاق رہا، اور ادبی مجالس بھی قائم ہوتی رہین، توسیع الادب بھی اسی قسم کا ادارہ ہے، ارتقاء کے نام سے اس نے موجودہ دور کے کانپوری یا کانپور سے تعلق رکھنے والے شعراء کے کلام کا نمونہ شائع کیا ہے، اور رئیس المتغزلین حسرت موہانی، حافظ محمد صدیق، ثاقب کانپوری، شمیم ناطقی، شارق ایرانی، کلام بی اے وفا شاہجہانپوری، ندرت کانپوری، عیان حیدری کی غزلین، عابدی اور انور کانپوری کی ایک ایک غزل اور نشور واحدی، سالک کانپوری کی نظم اور فرحت کانپوری کی رباعیات دی ہین، نثر مین پرنسپل عبد الشکور صاحب اور پروفیسر اویس احمد صاحب ادیب کے مضامین کے نمونے دیئے ہین لیکن وہ اتنے مختصر ہین کہ ان پر مضمون کا اطلاق بھی مشکل ہے، اس مجموعہ کو نام سے بھی کوئی مناسبت نہین معلوم ہوتی اور نام دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید مسئلہ ارتقاء پر بحث ہوگی،

"م"

جلد ۶۳ ماہ جمادی الاولی ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۹ء عدد ۳

مضامین

مقالات

باب المراسلة والمناظرة

ادبیات

———————